آل انڈیا تحریک تحفّظِ سُنّت ومدحِ صحابہ کا ترجمان
مسلک اہل السُنّۃ والجماعۃ کا محافظ وپاسبان

تحقیقی | علمی | اصلاحی

دوماہی برقی رسالہ

تحفّظِ سُنّت

مُحرّم الحرام صفر المظفّر ۱۴۴۸



مدیر
ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی

شعبۂ نشر واشاعت: آل انڈیا تحریک تحفّظِ سُنّت ومدحِ صحابہ جامعہ حسینیہ دیوبند

آل انڈیا تحریک تحفظِ سنت ومدح صحابہ کا ترجمان / مسلک اہل السنہ والجماعہ کا محافظ وپاسبان
تحقیقی علمی اصلاحی دوماھی برقی مجلّہ

محرم وصفر ۱۴۴۸ھ

تحفّظِ سنّت

فہرست

اداریہ

بسم اللہ کے ساتھ ایک نئی کوشش

مُدیر کے قلم سے

الحمدلله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله واصحابه اجمعين۔ امابعد

تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں حق و باطل کی کشمکش جاری رہی ہے، اہلِ حق نے ہمیشہ علم، قلم اور دعوت کے ذریعے دینِ اسلام کے صحیح عقائد ونظریات کی حفاظت کی ہے اور گمراہی کے فتنوں کا تعاقب کیا ہے، انہی مبارک کوششوں کے تسلسل میں آج ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے دوماہی برقی مجلہ ”تحفظ سنت“ کا اجراء کر رہے ہیں۔

یہ ہمارے لیے کوئی بالکل نئی راہ نہیں ہے، اس سے قبل سنہ ۱۴۳۹ھ میں سجان گڑھ (راجستھان) کی سرزمین سے اسی عنوان کے تحت یہی رسالہ دستی جاری کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اللہ کے فضل سے تقریباً ایک سال تک یہ رسالہ اپنے محدود وسائل کے باوجود اہلِ علم و دین کی خدمت کرتا رہا، لیکن مالی دشواریوں، وسائل کی کمی اور بعض دیگر مجبوریوں کے باعث اس سلسلہ کو موقوف کرنا پڑا۔ اگرچہ قلم خاموش ہو گیا تھا، لیکن دل میں یہ آرزو زندہ رہی کہ کسی مناسب وقت پر اس مشن کو دوبارہ زندہ کیا جائے، آج آٹھ سال بعد جب ہم ماضی کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو حالات بہت تبدیل ہو چکے ہیں۔ مطالعہ کا ذوق کمزور پڑ چکا ہے، مطبوعہ رسائل وجرائد کے قارئین میں نمایاں کمی آچکی ہے، اور ملک بھر کے بڑے بڑے اداروں اور تنظیموں کے زیرِ اہتمام جاری ہونے والے متعدد رسائل بند ہو چکے ہیں یا بقاء کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ایسے حالات میں ہم نے دستی رسالہ کے بجائے برقی مجلہ کو ترجیح دی ہے، تاکہ کم خرچ ہونے کے سبب اس کا تسلسل برقرار رہ سکے اور جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے یہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے۔

یہ حقیقت بھی ہم پر مخفی نہیں کہ برقی مجلہ کا اجراء بھی محض جذبات وخواہشات سے ممکن نہیں ہوتا، اس کے لیے جن وسائل، صلاحیتوں، علمی معاونتوں اور فنی مہارتوں کی ضرورت ہوتی ہے، ہم ان سے بدرجۂ کمال محروم ہیں، لیکن بندۂ مومن کی زندگی امید، توکل اور مسلسل جدوجہد کا نام ہے، اسی لیے ہم نے ایک بار پھر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے یہ

قدم اٹھایا ہے۔ یہ دراصل گرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور رُک جانے کے بعد پھر سے چلنے کی ایک عاجزانہ کوشش ہے۔

"تحفظ سنت" کا بنیادی مقصد اہل السنہ والجماعہ کے صحیح عقائد، افکار اور اعمال کی تشریح، توضیح اور دفاع ہے، اس لئے مجلہ ھذا کے بیشتر مضامین اسی موضوع کے گرد مرتب کئے جائیں گے، عصرِ حاضر میں مختلف فتنوں، گمراہ کن نظریات اور فکری یلغاروں نے عوام وخواص دونوں کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کی ہے، ایسے ماحول میں ضرورت اس بات کی ہے کہ علمی اسلوب، تحقیقی انداز اور حکیمانہ طرزِ دعوت کے ساتھ اہلِ سنت کے موقف کو واضح کیا جائے اور امت کو فتنوں کے خطرات سے آگاہ رکھا جائے، ہمارے اکابر میں حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری رحمہ اللہ کا معروف رسالہ " زمزم" ایک روشن مثال تھا، جس نے خصوصاً فتنۂ لامذہبیت وغیر مقلدیت کے تعاقب اور رد میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔" تحفظ سنت" کا دائرۂ کار اس سے وسیع تر ہوگا، اور اس میں مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کے خلاف اٹھنے والے مختلف فتنوں، گمراہ کن افکار اور باطل نظریات کا علمی جائزہ اور ان کا مدلل تعاقب پیش کیا جائے گا۔

ہم اس موقع پر آل انڈیا تحریک تحفظ سنت و مدح صحابہ کے ذمہ داران، علماء کرام، اہلِ قلم اور تمام مخلص معاونین کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کوشش کی حوصلہ افزائی فرمائی اور تعاون کے عزائم کا اظہار کیا، یقیناً کسی بھی علمی تحریک کی کامیابی اجتماعی اخلاص، مسلسل محنت اور اہلِ خیر کی دعاؤں سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس لئے ہم اپنے قارئین، علماء، فضلاء، طلبہ اور اہلِ قلم سے بھی دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ اس مجلہ کو اپنا مجلہ سمجھیں، اپنی علمی و تحقیقی تحریروں سے اس کی زینت بڑھائیں، مفید مشوروں سے نوازیں اور اس کی اشاعت وترسیل میں معاون بنیں۔ علمی محاذ پر یہ جدوجہد کسی ایک فرد یا ادارہ کی نہیں بلکہ پوری ملت کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے امتِ مسلمہ کے لیے نافع بنائے، اس کے ذریعے عقائدِ حقہ کی حفاظت اور سنتِ نبویہ کی اشاعت کا عظیم کام لے، اور اسے ہر قسم کے شر، فتنہ، رکاوٹ اور اخلاص کش آفات سے محفوظ رکھے۔ نیز اس مجلہ کو دوام، ترقی اور مقبولیت نصیب فرمائے تاکہ یہ آنے والے زمانوں میں بھی حق کی آواز اور اہلِ سنت کے موقف کا ترجمان بنا رہے۔ وماتوفیقی إلا بالله، علیه توکلت وإلیه أنیب

درس قرآن

عظمتِ صحابہ قرآن کی روشنی میں

ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ، تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

ترجمہ۔محمد اللہ کے رسول ہیں اور جولوگ آپ کی صحبت پائے ہوئے ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں، آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں، اُن کے آثار سجدہ کی تاثیر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ اُن کے اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اپنی سوئی نکالی پھر اُس نے اُس کو قوی کیا پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تا کہ اُن سے کافروں کو جلادے ،اُن صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

خلاصۂ تفسیر۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کی شان بیان فرمائی ہے کہ صحابہ کی یہ جماعت کافروں پر تو سخت ہے لیکن آپس میں بڑے نرم اور بردبار ہیں یعنی یہ ایسی مقدس جماعت ہے کہ ان کی دوستی و دشمنی ذاتی اغراض و مفادات کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ محض رضاءِ الٰہی کے تابع ہے، جو اللہ و رسول کا تابع و فرمانبردار ہے وہ اِن کا دوست ہے

چاہے کسی بھی خاندان، قبیلے اور رنگ ونسل کا ہو اور جو اللہ و رسول کا باغی ہے وہ اِن کا دشمن ہے؛ پھر چاہے وہ اِن کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار یا باپ اور بھائی ہی کیوں نہ ہو، گویا یہ جماعت "الحب للہ والبغض للہ" کی عملی تفسیر ہے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ یہ جماعت اللہ کی رضاو خوشنودی کی تلاش میں پورے خلوص وللہیت اور خشوع وخضوع کے ساتھ ہمہ وقت اپنے رب کی بندگی وعبادت میں مصروف رہتی ہے؛ اور عبادت و بندگی میں ان کا انہماک اتنا زیادہ ہے کہ ان کے چہروں پر عبادت کے آثار اور نورانیت صاف ظاہر ہے؛ اُن کی یہی صفت اللہ نے تورات میں بھی ذکر فرمائی ہے، اور اُن کی ایک صفت اور ہے جس کا بیان اللہ نے انجیل میں فرمایا ہے؛ وہ یہ کہ جس طرح کوئی پودا جب ابتداء میں اپنی کونپل نکالتا ہے تو بالکل کمزور اور ناتواں ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ وہ مضبوط ہوتا رہتا ہے اور پھر ایک دن وہ مضبوط تناور درخت بن جاتا ہے اور کسان اسے دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے؛ اسی طرح صحابہ کی یہ جماعت ہے کہ ابتداء میں بالکل کمزور تھی لیکن دھیرے دھیرے بڑھتی رہی اور اتنی مضبوط ہوگئی کہ اب دنیا کی ساری قوتیں ان کے آگے ہیچ ہیں، اور صحابہ کو یہ طاقت وقوت اور شان وشوکت اس لئے عطا فرمائی تاکہ کفار ومشرکین اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرنے والے ذلیل وخوار ہوں۔

جب انہوں نے اللہ و رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا حق ادا کیا اور ایمان واعمالِ صالحہ کے ذریعہ اپنے رب کی رضا حاصل کرلی تو پھر بدلے میں اللہ نے بھی ان کے لئے دنیا ہی میں مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمالیا، یعنی اولاً تو یہ جماعت گناہوں سے ویسے ہی دور رہی لیکن اگر کبھی کسی سے بتقاضائے بشریت کوئی غلطی سرزد ہو بھی گئی تو اللہ نے اس کی معافی کا اعلان فرمادیا؛ اس لئے اب اُن کی کوتاہیوں اور لغزشوں کو ذکر کرکے طعن وتشنیع کرنا قطعاً جائز نہیں۔

فوائد۔

اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) صحابہ کرامؓ کافروں سے بالکل مودت ومحبت نہیں رکھتے (حسنِ اخلاق اور حقوق کی ادائیگی کا معاملہ علیحدہ ہے)۔ (۲) آپس میں ایک دوسرے کو محبوب رکھتے ہیں اور باہم کسی طرح

کا کینہ کپٹ اور بغض وحسد دل میں نہیں رکھتے ۔(۳) عبادت الٰہی میں منہمک ومشغول رہتے ہیں ۔(۴) جو بھی کام کرتے ہیں محض خدا کی رضا وخوشنودی کے لئے کرتے ہیں ۔(۵) اُن کے چہروں پر عبادت وریاضت کے آثار صاف دیکھے جاسکتے ہیں ۔(۶) اُن کی عظمت وشان کا عالم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پچھلی کتابوں تورات وانجیل میں بھی اُن کی صفات بیان فرمائی ہیں ۔(۷) صحابہ کرامؓ ابتداءً بہت کمزور و ناتواں تھے لیکن بعد میں اللہ نے انہیں زبردست طاقت وقوت عطافرمادی ۔(۸) صحابہ کرامؓ کو اللہ نے یہ شان ومرتبہ اس لئے عطافرمایا تاکہ اُن سے حسد و دشمنی رکھنے والے اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرنے والے اپنے سروں پر خاک ڈالیں اور دنیاوآخرت میں ذلیل ورُسوا ہوں ۔(۹) ویسے تو صحابہ کی جماعت طبعی طور پر ہی اپنے رب کی نافرمانی سے دور رہتی تھی لیکن اگر کبھی کسی سے بتقاضائے بشریت کوئی غلطی وگناہ سرزد ہوبھی گیا تو بھی اللہ نے انھیں دنیا ہی میں مغفرت کی بشارت دیدی ۔

(۔۔۔۔۔۔۔۔۔صفحہ ۲۱ کا بقیہ)

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ مہینہ اور دن افضل ہے تو اس میں نیک اعمال بہت زیادہ کرنے چاہئیں، نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اسمیں زیادہ کرنی چاہئیں، اسمیں شادی کرنے سے برکت ہوگی ۔ ان شاء اللہ ۔ اس مہینے میں شادی کو منحوس سمجھنا شیعی ذہنیت ہے، جس سے پرہیز لازم ہے ۔(مستفاد : منکرات محرم، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ ص ۱۱)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا صحیح فہم عطافرمائے، اور ہر قسم کے گناہوں اور معصیتوں سے محفوظ فرمائے اور اپنی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت واطاعت کی دولت عظمیٰ سے نوازے ۔ آمین ثم آمین

درس حدیث

کتاب وسنت کی پابندی اور بدعات سے اجتناب

مولانا رضوان اللہ نعمانی

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ« . رَوَاهُ مُسْلِمٌ (٨٦٧) (مشكاة المصابيح، (١٤١).

راویِ حدیث کا تعارف:

جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن حرام انصاری سلمی، آپؓ اور آپ کے والد جلیل القدر اصحاب رسول میں سے ہیں۔ آپ کی کنیت؛ ابو عبد اللہ، ابو عبد الرحمن اور ابو محمد ہے، آپ کا شمار ان جلیل القدر صحابہ میں ہے جنہوں نے بکثرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے، صحابہ کی ایک جماعت نے آپ سے روایت نقل کی ہے، نبی کریم ﷺ کے ساتھ انیس غزوات میں شرکت فرمائی، نیز آپ اہل بیعت الرضوان میں سے ہیں، آپ کی کل مرویات (۱۵۴۰) ہیں، سن ۷۸ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

ترجمۂ حدیث :

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہر حال حمد وصلا ۃ کے بعد سب سے بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے بہترین طریقہ حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اور سب سے بدترین چیز دین میں اپنی طرف سے گھڑی ہوئی باتیں ہیں، اور ہر گھڑی ہوئی بات گمراہی ہے۔

تشریح حدیث:

(أما بعد) یہ کلمۂ فصل ہے جو ایک کلام کو دوسرے کلام سے جدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ کلمہ راجح

قول کے مطابق سب سے پہلے حضرت داوٗد علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے،قرآن کریم میں "وفصل الخطاب" کے نام سے جس نعمت خداوندی کا تذکرہ آیا ہے اس سے یہی کلمہ مراد ہے،

(النجم السعد في مباحث أما بعد، ص: ۷ و ما بعد، از شیخ محمد موسی روحانی بازی)

حدیث بالا میں تین جملے ہیں، پہلے جملہ میں کتاب اللہ کی عظمت، دوسرے میں سنت رسول کی اہمیت اور تیسرے جملے میں بدعت کی تردید فرمائی گئی ہے۔روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خطبہ جمعہ میں یہ ارشاد بار بار سنا تھا۔(**خير الحديث كتاب الله**) مطلب یہ ہے کہ اللہ کا کلام تمام کلاموں میں سب سے افضل کلام ہے،الفاظ کی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی،اور معنی کی جامعیت لحاظ سے بھی، کیونکہ قرآن کریم میں ایسے اصول کلیہ آگئے ہیں جن سے دنیاو آخرت کی تمام ضرورت کی چیزوں کی طرف رہنمائی موجود ہے۔(**خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيِ مُحَمَّد**) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عادات وخصائل ہیں ان میں راہ حق اور صراط مستقیم تک پہنچنے میں بہترین رہنمائی ہے،اور انہیں کو مشعل راہ بنا کر بندہ اللہ تعالیٰ کے قرب ورضاء کے مقبول ترین مقام تک رسائی حاصل کرسکتا ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے،،بہت ہی مختصر الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو وہ ہدایت دیدی جو تا قیام قیامت ان کو صراط مستقیم اور راہ ہدایت پر قائم رکھنے اور ہر طرح کی علمی،فکری اور عملی گمراہی سے بچانے کے لیے کافی وافی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیائے فانی سے رحلت فرما جانے کے بعد آپ پر نازل شدہ قرآن کریم اور آپ کی تعلیمات اس دنیا میں رشد و ہدایت کا سرچشمہ، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کے قائم مقام ہیں۔ایمان و عقائد،عبادات،معاملات اور اخلاق ومعاشرت کے سلسلے میں انسانوں کو جس مثبت یا منفی رہنمائی کی ضرورت ہے قرآن کریم اور سنت رسول میں اس کی پوری ضمانت موجود ہے۔

(**وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**) اس کے بعد گمراہی کا ایک دروازہ رہ جاتا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین نہیں قرار دیا ان کو دین لبادہ اوڑھا کر دین میں داخل کیا جائے ا[illegible] کے

قرب ورضاء اوراخروی صلاح وفلاح کاذریعہ سمجھ لیا جائے، شیطان کا سب سے خطرناک جال یہی ہے، گزشتہ امتوں کو زیادہ تر اسی راستہ سے گمراہ کیا گیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف کی گئی تھی کہ پچھلی قوموں میں جو گمراہیاں درآئی تھیں، وہ سب اس امت میں بھی آئیں گی، اورانہیں طریقوں سے آئیں گی جن سے پہلی امتوں میں آئی تھیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی احادیث میں بار بار یہ تاکیدی آگاہی دیتے تھے کہ بس کتاب اللہ اور میری سنت کا اتباع کیا جائے، صرف انہیں میں حق وہدایت اوراخروی فلاح مضمر ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "**تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ**" کہ میں تمہارے بیچ دو عظیم چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہر گز کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب قرآن عظیم، دوسرے اللہ کے نبی کے سنت (موطا مالک)

اس لئے ضروری ہے کہ خود ساختہ نئے نئے امور وبدعات سے اپنی اور اپنی نسلوں کے دین و ایمان کی حفاظت کی جائے، بدعت ظاہری شکل وصورت میں خواہ کیسی ہی حسین وجمیل معلوم ہو درحقیقت وہ صرف ضلالت و ہلاکت ہے، اور ضلالت وگمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے **أعاذنا الله منه**.

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جونئی بات پیدا کی جائے اور وہ کتاب اللہ کے مخالف، صحابہ کے اقوال کے منافی اور اجماع امت کے برعکس ہو تو وہ ضلالت وگمراہی ہے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد جو بقول حضرت جابر آپ جمعہ کے خطبوں میں بار بار بیان فرماتے تھے، اس کا یہی پیغام اور اس میں یہی آگہی دی گئی ہے ۔

(مستفاد از مرقاۃ المفاتح، مظاہر حق، معارف الحدیث)

ماہ محرم الحرام اور یوم عاشوراء

مفتی ابوجندل قاسمی صاحب

شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم تیوڑہ مظفر نگر

یوم عاشوراء زمانۂ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بڑا محترم دن تھا، اسی دن خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے، قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی کچھ روایات اس کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملتِ ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے ان کاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اتفاق واشتراک فرماتے تھے، اسی بنا پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے، پس اپنے اس اصول کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ساتھ عاشوراء کا روزہ بھی رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں یہود کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا اور مسلمانوں کو بھی عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں، (بخاری ۱/ ۴۸۱)

بعض احادیث شریفہ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لیے دیا جاتا ہے، چنانچہ بخاری ومسلم میں سلمۃ بن الاکوع اور ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشوراء کی صبح مدینہ منورہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ رکھیں، اور جنہوں نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائیں بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں، بعد میں جب رمضان

المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی حیثیت ایک نفل روزہ کی رہ گئی، (بخاری شریف ۱/ ۲۶۸، مسلم شریف ۱/ ۳۶۰)

لیکن اس کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں میں سب سے زیادہ اہتمام اسی روزہ کا فرماتے تھے، جیسا کہ حدیث آگے آرہی ہے۔(معارف الحدیث ۴/ ۱۶۸)

یومِ عاشوراء کی تاریخی اہمیت

یوم عاشوراء بڑا ہی مہتم بالشان اور عظمت کا حامل دن ہے، کتب تاریخ میں بہت سے واقعات اس کی طرف منسوب ہیں، چناں چہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

(۱) یوم عاشوراء میں ہی آسمان وزمین، قلم اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو پیدا کیا گیا۔

(۲) اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

(۳) اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "خلیل اللہ" بنایا گیا اور ان پر آگ گل گلزار ہوئی۔

(۴) اسی دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

(۵) اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے رہائی نصیب ہوئی اور مصر کی حکومت ملی۔

(۶) اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک طویل عرصے کے بعد ملاقات ہوئی۔

(۷) اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہوئی۔

(۸) اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت واپس ملی۔

(۹) اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو سخت بیماری سے شفا نصیب ہوئی۔

(۱۰) اسی دن حضرت یونس علیہ السلام چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے بعد نکالے گئے۔

(۱۱)اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول ہوئی اوران کے اوپر سے عذاب ٹلا۔

(۱۲)اوراسی دن آپ کو یہودیوں کے شر سے نجات دلاکرآسمان پراٹھایا گیا۔

(۱۳)اسی دن دنیامیں پہلی بارانِ رحمت نازل ہوئی۔

(۱۴)اسی دن حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی۔

(۱۵)اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہولناک سیلاب سے محفوظ ہوکرکوہِ جودی پرلنگرانداز ہوئی۔

(۱۶)اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کےظلم واستبداد سے نجات حاصل ہوئی۔

(۱۷)اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کامقابلہ کرنے والے جادوگروں کی توبہ قبول ہوئی۔

(۱۸)اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

لیکن ان میں سے صرف آخری پانچ واقعات مستند اور پایۂ ثبوت تک پہنچنے والے ہیں،ان کے علاوہ کوئی بھی واقعہ ثابت نہیں، بلکہ غیرمستند،من گھڑت اورجھوٹے ہیں۔(الاجوبۃ المستحسنۃ فی تحقیق الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ،للشیخ محمدطلحہ بلال احمدمنیاردامت فیوضہم)

(۱۹)اسی دن قریش خانۂ کعبہ پرنیاغلاف ڈالتے تھے۔

(۲۰)اسی دن کوفی فریب کاروں نےنواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اورجگرگوشۂ فاطمہ رضی اللہ عنہاحضرت حسین رضی اللہ عنہ کومیدانِ کربلامیں شہیدکیا۔

(۲۱)اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔(عمدۃ القاری ۱۱/ ۱۶۷، باب صیام یوم عاشوراء۔نزہۃ المجالس ۱/ ۳۴۷،۳۴۸۔معارف القرآن،سورۂ یونس آیت ۹۸۔ ۴/ ۵۷۵۔معارف الحدیث ۴ /۱۶۸)

یومِ عاشوراء کی فضیلت

مذکورہ بالا واقعات سے تو یوم عاشورہ کی خصوصی اہمیت کا پتہ چلتا ہی ہے،علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس دن کی متعدد فضیلتیں وارد ہیں،چنانچہ:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمافرماتے ہیں کہ:

ما رأيتُ النبيَ صلى الله عليه وسلم يتحرى صيامَ يومٍ فضَله على غيرِه إلاَّ هذا اليومَ يومَ عاشوراءَ و هذا الشهرَ يعنى شهرَ رَمَضانَ۔ (بخاری شریف ۱/۲۶۸، حدیث: ۲۰۰۶۔ مسلم شریف ۱/۳۶۰،۳۶۱)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزہ کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یعنی یومِ عاشوراء کے اور سوائے اس ماہ یعنی ماہِ رمضان المبارک کے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے یہی سمجھا کہ نفل روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشوراء کے روزہ کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزہ کا نہیں کرتے تھے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ليس ليومٍ فضلٌ على يومٍ في الصيامِ إلا شهرَ رمضان و يومَ عاشوراء۔ (رواہ الطبرانی والبیہقی، الترغیب والترہیب ۲,۱۱۵) یعنی روزہ کے سلسلے میں کسی بھی دن کو کسی دن پر فضیلت حاصل نہیں، ہاں مگر ماہِ رمضان المبارک کو اور یوم عاشوراء کو (کہ ان کو دوسرے دنوں پر فضیلت حاصل ہے)

(۳) عن أبي قتادة رضي الله عنه قال قال رسول الله عليه وسلم: صيامُ يومِ عاشوراءَ إنّيْ أحتَسِبُ على اللهِ أن يُكفِّرَ السنةَ التي قبلَه۔ (مسلم شریف ۱,۳۶۷، ابن ماجہ ۱۲۵) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے امید ہے کہ عاشوراء کے دن کا روزہ گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیگا۔ (ابن ماجہ کی ایک روایت میں "السنة التي بعدها" کے الفاظ ہیں۔ کذا فی الترغیب ۲/۱۱۵)

ان احادیث شریفہ سے ظاہر ہے کہ یوم عاشوراء بہت ہی عظمت وتقدس کا حامل دن ہے، لہٰذا ہمیں اس دن کی برکات سے بھرپور فیض اٹھانا چاہیے۔

ماہ محرم کی فضیلت اور اس کی وجوہات

یوم عاشوراء کے ساتھ ساتھ شریعت مطہرہ میں محرم کے پورے ہی مہینے کو خصوصی عظمت حاصل ہے، چنانچہ چار وجوہ سے اس ماہ کو تقدس حاصل ہے:

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ احادیث شریفہ میں اس ماہ کی فضیلت وارد ہوئی ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ ماہ رمضان المبارک کے بعد کون سے مہینہ کے میں روزے رکھوں؟ تو حضرت علی رضی

اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہی سوال ایک دفعہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کیا تھا، اور میں آپ کے پاس بیٹھا تھا، تو آپ نے جواب دیا تھا کہ : إنْ کُنْتَ صائمًا بعدَ شهرِ رمضانَ فَصُمِ المحرَّمَ فإنه شهرُ اللّٰهِ، فيهِ يومٌ تابَ اللّٰهُ فِيْهِ علٰى قومٍ ويَتُوْبُ فيهِ علٰى قومٍ آخَرِيْنَ ۔(ترمذی ۱/۱۵۷) یعنی ماہ رمضان کے بعد اگر تم کو روزہ رکھنا ہے تو ماہِ محرم میں رکھو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ (کی خاص رحمت) کا مہینہ ہے، اس میں ایک ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور آئندہ بھی ایک قوم کی توبہ اس دن قبول فرمائے گا۔

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : افضلُ الصِّيَامِ بعدَ صيامِ شهرِ رمضانَ شهرُ اللّٰهِ المُحَرَّمُ ۔ (ترمذی ۱/۱۵۷) یعنی ماہ رمضان المبارک کے روزوں کے بعد سب سے اَفضل روزہ ماہ محرم الحرام کا ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : مَنْ صَامَ يَوْمًا مِّنَ الْمُحَرَّمِ فَلَهٗ بِكلِّ يومٍ ثَلاثُونَ يوماً ۔(الترغیب والترہیب ۲/۱۱۴) یعنی جو شخص محرم کے ایک دن میں روزہ رکھے اور اس کو ہر دن کے روزہ کے بدلہ تیس دن روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔

(۲) مندرجہ بالا احادیث شریفہ سے دوسری وجہ یہ معلوم ہوئی کہ یہ ''شہر اللہ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں کا مہینہ ہے تو اس ماہ کی اضافت اللہ کی طرف کرنے سے اس کی خصوصی عظمت وفضیلت ثابت ہوئی۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ مہینہ ''اشہر حرم''، یعنی ان چار مہینوں میں سے ہے کہ جن کو دوسرے مہینوں پر ایک خاص مقام حاصل ہے، وہ چار مہینے یہ ہیں: (۱) ذی قعدہ (۲) ذی الحجہ (۳) محرم الحرام (۴) رجب۔ (بخاری شریف ۱/۲۳۴، مسلم ۲/۶۰)

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اسلامی سال کی ابتداء اسی مہینے سے ہے، چنانچہ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ ''ماہ محرم میں روزوں کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے سے سال کا آغاز ہوتا ہے، اس لیے اسے نیکیوں سے معمور کرنا چاہیے، اور خداوند قدوس سے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ ان روزوں کی برکت پورے سال رکھے گا۔ (احیاء علوم الدین

۳/۱۳۱/۴، الفصل الثالث فی التطوع بالصیام الخ)

یوم عاشوراء میں کرنے کے کام

احادیث طیبہ سے یوم عاشوراء میں صرف دو چیزیں ثابت ہیں: (۱) روزہ: جیسا کہ اس سلسلے میں روایات گذر چکی ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ احادیث شریفہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار ومشرکین کی مشابہت اور یہود ونصاریٰ کی بود و باش اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس حکم کے تحت چونکہ تنہا یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا یہودیوں کے ساتھ اشتراک اور تشابہ تھا، دوسری طرف اس کو چھوڑ دینا اس کی برکات سے محرومی کا سبب تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ یوم عاشوراء کیساتھ ایک دن کا روزہ اور ملالو، بہتر تو یہ ہے کہ نویں اور دسویں تاریخ کا روزہ رکھو، اور اگر کسی وجہ سے نویں کا روزہ نہ رکھ سکو تو پھر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لو تا کہ یہود کی مخالفت ہو جائے اور ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا تشابہ نہ رہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس دن کو یہود ونصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات ختم ہو جائے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : **فاذا كان العامُ المُقْبِلُ إن شاء الله صُمْنَا اليومَ التاسعَ قال فَلَمْ يَأْتِ العامُ المقبلُ حَتى تُوُفِّيَ رسولُ الله** ﷺ۔ (مسلم شریف ۱/ ۳۵۹) یعنی جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو بھی روزہ رکھیں گے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

اہم فائدہ

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ صرف یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ ہے، لیکن حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس

سرہ نے فرمایا ہے کہ: عاشوراء کے روزہ کی تین شکلیں ہیں: (۱) نویں، دسویں اور گیارہویں تینوں کا روزہ رکھا جائے (۲) نویں اور دسویں یا دسویں اور گیارہویں کا روزہ رکھا جائے (۳) صرف دسویں تاریخ کا روزہ رکھا جائے۔ ان میں پہلی شکل سب سے افضل ہے، اور دوسری شکل کا درجہ اس سے کم ہے، اور تیسری شکل کا درجہ سب سے کم ہے، تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تیسری شکل کا درجہ جو سب سے کم ہے اسی کو فقہاء نے کراہت سے تعبیر کر دیا ہے، ورنہ جس روزہ کو آپ نے پوری عمر ایک ہی رکھا ہو اور آئندہ نویں تاریخ کا روزہ رکھنے کی صرف تمنا کی ہو اس کو کیسے مکروہ کہا جا سکتا ہے۔ (معارف السنن ۵/ ۴۳۴)

چنانچہ مشہور فقیہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بھی عام فقہاء کی رائے یہی بتائی ہے کہ تنہا یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں، البتہ بعض فقہاء کراہت کے قائل ہیں۔ (بدائع الصنائع ۲/ ۲۱۸)

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ" یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ یوم عاشوراء میں روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا اس لیے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زماننا رفع تشابہ کے لیے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے"۔ واللہ اعلم (معارف الحدیث ۴/ ۱۷۱)

(۲) اہل وعیال پر رزق میں فراخی: شریعت اسلامیہ نے اس دن کے لیے دوسری تعلیم یہ دی ہے کہ اس دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت اور فراخی کرنا اچھا ہے، کیونکہ اس عمل کی برکت سے تمام سال اللہ تعالیٰ فراخی رزق کے دروازے کھول دیتا ہے، چنانچہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ أَوْسَعَ عَلٰى عِيَالِهٖ وَأَهْلِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ أَوْسَعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهٖ"۔ (رواہ البیہقی، الترغیب والترہیب ۲/ ۱۱۵) یعنی جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے کے سلسلے میں فراخی اور وسعت کریگا تو اللہ تعالیٰ پورے سال اس کے رزق میں وسعت عطا فرمائیں گے۔

بعض رسمیں اور بدعات

اوپر کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ماہ محرم الحرام اور یوم عاشوراء بہت ہی بابرکت اور مقدس مہینہ ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس باعظمت مہینہ میں زیادہ سے زیادہ عبادات میں مشغول ہو کر خدائے تعالیٰ کی خاص الخاص رحمت کا اپنے کو مستحق بنائیں۔ مگر ہم نے اس مبارک مہینہ کو خصوصاً یوم عاشوراء کو طرح طرح کی خود تراشیدہ رسومات و بدعات کا مجموعہ بنا کر اس کے تقدس کو اس طرح پامال کیا کہ الامان والحفیظ، اس ماہ میں ہم نے اپنے کو چند در چند خرافات کا پابند بنا کر بجائے ثواب حاصل کرنے کے الٹا معصیت اور گناہ میں مبتلا ہونے کا سامان کرلیا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جس طرح اس ماہ میں عبادت کا ثواب زیادہ ہوجاتا ہے اسی طرح اس ماہ کے اندر معصیات کے وبال وعقاب کے بڑھ جانے کا بھی اندیشہ ہے، اسلئے ہر مسلمان کے لیے لازم اور ضروری ہے کہ اس محترم مہینہ میں ہر قسم کی بدعات وخرافات سے احتراز کرے۔ ذیل میں مختصر انداز میں اس محترم ماہ کی چند بدعات ورسومات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس میں شرکت

عشرۂ محرم میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلسوں میں، اسی طرح دسویں تاریخ کو تعزیہ کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے جمع ہوجاتی ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، حالانکہ اس کے اندر کئی گناہ ہیں:

(۱) ایک گناہ تو اس میں یہ ہے کہ ان مجالس اور جلوس میں شرکت کرنے سے دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم کی رونق بڑھتی ہے جبکہ دشمنوں کی رونق بڑھانا حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" (کنز العمال ۹/۳۶) یعنی جس نے کسی قوم کی رونق بڑھائی وہ انھی میں سے ہے۔

(۲) دوسرا گناہ اس میں یہ ہے کہ جس طرح عبادت کا کرنا اور دیکھنا اور اس سے خوش ہونا باعث اجر و

ثواب ہے اسی طرح گناہوں کے کاموں کو بخوشی دیکھنا بھی گناہ ہے، ظاہر ہے کہ ماتم کی مجلس میں جانا اور تعزیہ نکالنا یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

(۳) تیسرا گناہ یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے وہاں اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور ایسی غضب والی جگہ پر جانا بھی گناہ سے خالی نہیں، غرض کہ ان مجلسوں اور جلوسوں سے بھی احتراز کرنا لازم ہے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۹۳، خیر الفتاویٰ ۱/ ۳۳۶)

(۲) دسویں محرم کی چھٹی کرنا

یوم عاشوراء کی چھٹی کرنے میں کئی قباحتیں ہیں، مثلاً: (۱) پہلی قباحت تو یہ ہے کہ اس دن چھٹی کرنا روافض اور اہل تشیع کا شعار ہے اور غیروں کے شعار سے اجتناب لازم ہے، کیونکہ حدیث میں ہے

''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۵) جس شخص نے کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔

(۲) دوسری قباحت یہ ہے کہ اس دن چھٹی کرکے ہم لوگ بیکاری اور بے ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہیں جبکہ اہل تشیع اپنے مذہب کے لیے بے پناہ مشقت اور سخت محنت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

(۳) تیسری خرابی یہ ہے کہ چھٹی کرنے کی وجہ سے اکثر مسلمان تعزیہ کے جلوس میں چلے جاتے ہیں اور تعزیہ کے جلوس میں شرکت کی خرابیاں اور گناہ گزر چکے۔

تنبیہ: بعض لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ ان دنوں میں روزہ رکھنا مسنون و مستحب ہے، لہٰذا روزہ رکھ کر اس کے ضمن میں چھٹی کردی جائے جیسا کہ رمضان میں چھٹی ہوتی ہے لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں بلکہ محض چھٹی کا ایک حیلہ ہے کیونکہ اس روزہ کے علاوہ ذی الحجہ کے نو دن، ۱۵/ شعبان، شوال کے چھ دن، ہر ماہ میں ایام بیض، اور پیر و جمعرات کے روزوں کا بھی ثبوت ہے، کہاں تک رمضان کی حرص کرکے چھٹی کی جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۲۰۹، بحوالہ جامع الفتاویٰ ۲/ ۵۱۱، احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۹۴)

(۳) دسویں محرم کو کھچڑا پکانا

بعض لوگ محرم کی دسویں تاریخ کو کھچڑا پکاتے ہیں یہ بالکل ناجائز اور سخت گناہ ہے، البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خوشی میں خوارج دسویں محرم کو مختلف اناج ملا کر پکاتے تھے۔ "فکانوا الی یوم عاشوراء یطبخون الحبوب" (البدایہ والنہایہ ۸ / ۲۰۲، ۵۹۹ بیروتی) معلوم ہوا کہ کھچڑا پکانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے دشمنی رکھنے والوں کی ایجاد کردہ رسم ہے، اہل بیت سے الفت ومحبت رکھنے والوں کو اس رسم بد سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۸، خیر الفتاویٰ ۱ / ۵۵۸ بحوالہ جامع الفتاویٰ ۲۰ / ۵۸۸)

(۴) ایصال ثواب کے لیے کھانا پکانا

محرم کے مہینے میں خصوصاً نویں، دسویں، گیارہویں تاریخ میں بعض لوگ کھانا پکا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں یہ طریقہ حضرات تابعین، تبع تابعین اور فقہائے کرام سے منقول وثابت نہیں اور کئی قباحتوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) جن ارواح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اگر ان کو نفع ونقصان کا مالک سمجھا گیا اور ان اکابر سلف کے نام سے وہ کھانا پکایا گیا تو یہ شرک ہے اور ایسا کھانا

"ما اهل به لغير الله" میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

(۲) عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو چیز صدقہ دی جاتی ہے میت کو بعینہ وہی ملتی ہے حالانکہ یہ خیال بالکل باطل ہے، میت کو وہ چیز نہیں پہنچتی بلکہ اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

(۳) ایصال ثواب میں اپنی طرف سے قیود لگالی ہیں یعنی صدقہ کی صورت متعین یعنی کھانا، مہینہ متعین، دن متعین، حالانکہ شریعت نے ان چیزوں کی تعیین نہیں فرمائی، جو چیز چاہیں جب چاہیں صدقہ کرسکتے ہیں، شریعت کی دی ہوئی آزادی پر اپنی طرف سے پابندیاں لگانا گناہ اور بدعت بلکہ شریعت کا مقابلہ ہے۔ (مستفاد: منکرات محرم، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی ؒ ص ۱۱۔ رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب فی کراہۃ الضیافۃ

من اہل المیت)

(۵) پانی یا شربت کی سبیل لگانا

بعض لوگ محرم کی دسویں تاریخ کو پانی کی یا شربت کی سبیل لگاتے ہیں اور راستوں و چوراہوں پر بیٹھ کر گذرنے والے کو وہ پانی یا شربت پلاتے ہیں، تو اگر چہ پانی پلانا باعث ثواب اور نیکی کا کام ہے، لیکن یہ عمل بھی مندرجہ بالا پابندیوں کی وجہ سے بدعت اور قابل ترک ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ۱۳۹، خیر الفتاویٰ ۱/ ۵۶۹، بحوالہ جامع الفتاویٰ ۲/ ۵۸۸)

(۶) مٹھائی تقسیم کرنا

بعض جگہوں پر یہ بھی رواج ہے کہ یوم عاشوراء کو مٹھائی وغیرہ مسجد میں لا کر یا گھر میں ہی تقسیم کر دیتے ہیں یہ امر بھی معصیت اور خلاف شریعت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۴۹)

(۷) عید کی طرح زینت کرنا

بعض حضرات یوم عاشوراء میں عید کی طرح زینت اختیار کرتے ہیں، یہ امر بھی احداث فی الدین اور بدعت ہے، اور بعض حضرات جواز کے قائل ہیں اور تائید میں حدیث پیش کرتے ہیں، مگر جواز پر دلالت کرنے والی تمام احادیث موضوع ہیں۔ (فتاویٰ عبدالحی ۵۰۹ بحوالہ جامع الفتاویٰ ۲/ ۵۸۹)

(۸) محرم میں نکاح کرنا

اس سلسلے میں اصل گفتگو یہ ہے کہ یہ مہینہ معظم ومحترم ہے یا منحوس ہے؟ شیعہ حضرات اس ماہ کو منحوس سمجھتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس مہینے میں ہوئی ہے، اس لیے وہ لوگ اس میں کوئی تقریب اور خوشی کا کام شادی ونکاح وغیرہ نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف سنیوں کے نزدیک یہ مہینہ معظم ومحترم اور فضیلت والا ہے، محرم کے معنی ہی پر عظمت اور مقدس کے ہیں جیسا کہ بالتفصیل مضمون کی ابتداء میں بیان کیا گیا ہے۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

خلافتِ راشدہ؛ فقط خلفاء اربعہؓ کے تیس سالہ دور میں منحصر ہے

الف عین قاسمی سہارنپوری

اہلسنت والجماعت کے یہاں اس بات پر اتفاق ہے کہ خلافت راشدہ کی مدت تیس سال ہے، اور یہ حضرات خلفاء اربعہ کا دورِ خلافت ہے، اسی کو خلافتِ نبوت یا خلافت علی منہاج النبوہ بھی کہا جاتا ہے۔

یہ مسئلہ اہلسنت کے یہاں فقط اتفاقی ہی نہیں بلکہ ضروریات اہلسنت میں شمار ہے، جسے فروعی عقیدہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اہلسنت نے عقائد اہلسنت کے ذیل میں نہایت صاف وصریح انداز میں اس عقیدے کو ذکر کیا ہے۔ ہم نمونے کے طور پر اہل سنت کی مشہور کتب عقائد سے چند حوالجات پیش کرتے ہیں۔

1۔ امام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ۔ المتوفی ۳۲۱ھ۔ اپنی مشہور زمانہ کتاب "العقیدۃ الطحاویۃ" میں فرماتے ہیں۔

و نثبت الخلافة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أولاً لأبي بكر الصديق تفضيلاً له و تقديماً على جميع الأمة، ثم لعمر بن الخطاب رضى الله عنه، ثم لعثمان رضى الله عنه، ثم لعلى بن أبى طالب رضى الله عنه، و هم الخلفاء الراشدون و الأئمة المهديون" (العقيدة الطحاوية)

ترجمہ۔ اور ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے ثابت مانتے ہیں پوری امت پر آپؓ کی فضیلت اور سبقت کی وجہ سے، پھر حضرت عمر بن الخطابؓ کے لئے، پھر حضرت عثمانؓ کے لئے، پھر حضرت علی بن ابی طالبؓ کے لئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور یہی حضرات خلفاء راشدین ہیں اور ائمہ مہدیین ہیں۔

2۔ امام اہل السنہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔ المتوفی ۲۴۱۔ کا نظریہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن احمدؒ۔ المتوفی ۲۹۰ھ۔ نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

سألت أبى عن الأئمة فقال: أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على فى الخلفاء (السنة لعبدالله بن احمد صفحة ۲۳۵)

ترجمہ۔میں نے اپنے والد (امام احمدؒ) سے ائمہ (خلفاء راشدین) کے بارے میں پوچھا تو آپؒ نے فرمایا: خلفاء (راشدین) میں پہلے نمبر پر حضرت ابوبکرؓ ہیں، پھر حضرت عمرؓ ہیں، پھر حضرت عثمانؓ ہیں، پھر حضرت علیؓ ہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

سمعت أبی يقول: اما التفضيل فأقول أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی، قول ابن عمر: كنا نعد و رسول الله صلی علیه وسلم حی فيقول: أبو بكر و عمر و عثمان و علی رضی الله عنهم فی الخلفاء، سمعت أبی يقول: و الخلافة علی ما روی سفينة عن النبي صلی الله علیه وسلم الخلافة فی أمتی ثلاثون سنة، و نستعمل الخبرين جميعًا ما قال سفينة و ما قال ابن عمر "(السنة لعبدالله بن احمد صفحة ۲۳۵)

ترجمہ۔میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا: ترتیب فضیلت میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ پہلے ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ ہیں، پھر عثمانؓ ہیں، پھر علیؓ ہیں، عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے: حضور ﷺ کے حین حیات ہم لوگ خلفاء راشدین کو اس ترتیب کے ساتھ ذکر کرتے ؛ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اجمعین، عبداللہؒ کہتے ہیں: میں نے اپنے والدؒ سے یہ بھی سنا: خلافت (راشدہ) کی مقدار وہی ہے جو حضرت سفینہؓ نے جناب نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہے کہ میری امت میں تیس سال خلافت راشدہ رہے گی، اور ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت سفینہؓ کی ان مذکورہ دونوں خبروں پر عمل کرتے ہیں (اس طور پر کہ خلافت راشدہ کو تیس سال میں منحصر سمجھتے ہیں جو خلفاء اربعہ کا دور ہے، اور خلفاء اربعہ میں ترتیب خلافت ہی کو ترتیب فضیلت سمجھتے ہیں)۔

3۔امام سیوطی رحمہ اللہ۔المتوفی ۹۱۱ھ۔نے اپنی کتاب "حقيقة السنة والبدعة" کے آخر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد سے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ۔المتوفی ۲۰۴ھ۔کا طویل کلام نقل کیا ہے، جس میں منجملہ دیگر عقائد کے ایک عقیدہ یہ بھی ہے۔وأقدم أبابر ثم عمر ثم عثمان ثم علياً فم الخلفاء الراشدون۔(حقيقة السنة والبدعة صفح ۱۰۸)

ترجمہ۔اور میں (خلفاء اربعہ میں) ابوبکرؓ کو سب سے مقدم سمجھتا ہوں، پھر حضرت عمرؓ کو، پھر حضرت عثمانؓ کو، پھر حضرت علیؓ کو، چنانچہ یہی حضرات خلفاء راشدین ہیں۔

4۔امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ۔المتوفی ۳۲۴ھ۔فرماتے ہیں۔

:هؤلاء هم الأئمة الأربعة المجمع على عدلهم و فضلهم رضى الله عنهم أجمعين، و قد روى شريح النعمان قال حدثنا حشرج بن نباتة عن سعيد بن جمهان قال حدثني سفينة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلافة في أمتي ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك، ثم قال لي سفينة أمسك خلافة أبي بكر و خلافة عمر و خلافة عثمان ثم أمسك خلافة علي بن أبي طالب قال: فوجدتها ثلاثين سنة "(الإبانة عن أصول الديانة للإمام أبي الحسن الأشعري صفحة ۷۳)

ترجمہ۔ یہی حضرات (خلفاء اربعہ) وہ ائمہ اربعہ ہیں جن کے فضل و عدل پر پوری امت کا اجماع ہے، اور شریح النعمان؛ حشرج بن نباتہ، سعید بن جمہان کے طریق سے حضرت سفینہؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت میں خلافت (راشدہ) تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد ملوکیت و بادشاہت ہوگی، راویِ حدیث کہتے ہیں کہ حدیث سنانے کے بعد حضرت سفینہؓ نے مجھ سے فرمایا: حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ چاروں حضرات کی مدت خلافت کا حساب لگاؤ، چنانچہ میں نے حساب لگایا تو چاروں خلفاء کی مدتِ خلافت تیس سال ہوئی۔

5۔امام موفق الدین ابن قدامہ مقدسی حنبلی رحمہ اللہ۔المتوفی ۶۲۰ھ۔فرماتے ہیں:

وهو -أبو بكر- أحق خلق الله تعالى بالخلافة بعد النبي صلى عليه وسلم لفضله و سابقته و تقديم النبي صلى عليه وسلم له في الصلاة على جميع الصحابة رضى الله عنهم و إجماع الصحابة رضى الله عنهم على تقديمه و مبايعته و لم يكن الله ليجمعهم على ضلالة، ثم بعده عمر رضى الله عنه لفضله و عند أبي بكر إليه، ثم عثمان رضى الله عنه لتقديم أهل الشوریٰ له، ثم علي رضى الله عنه لفضله و إجماع أهل عصره عليه، و هؤلاء الخلفاء الراشدون المهديون الذين قال النبي صلى عليه وسلم فيهم: عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين من بعدي عضوا عليها بالنواجذ، و قال صلى الله عليه وسلم: الخلافة بعدي ثلاثون سنة، فكان آخرها علي رضى الله عنه. (لمعة الإعتقاد صفحة ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸)

ترجمہ۔ جناب نبی کریم ﷺ کے بعد کائنات میں خلافت کے سب سے زیادہ حقدار حضرت ابوبکرؓ ہیں اپنی فضیلت اور سبقت فی الاسلام کی وجہ سے، اور اس وجہ سے بھی کہ حضور ﷺ نے تمام صحابہ کی امامتِ صلاۃ کے لئے آپؓ ہی کو آگے بڑھایا، اور اس وجہ سے بھی کہ آپؓ کے مقدم ہونے پر اور آپؓ کی بیعت پر تمام صحابہ نے اتفاق

کیا درآنحالیکہ اللہ رب العزت صحابہ کو گمراہی پر جمع نہیں ہونے دیں گے۔ پھر آپؓ کے بعد حضرت عمرؓ مستحق خلافت ہیں اپنے مخصوص فضائل اور حضرت ابوبکرؓ کے معتمد ہونے کی وجہ، پھر آپؓ کے بعد حضرت عثمانؓ ہیں اہلِ شوریٰ کے آپؓ کو خلافت کے لئے آگے بڑھانے کی وجہ، پھر آپؓ کے بعد حضرت علیؓ ہیں اپنے مخصوص فضائل اور آپ کے دور میں موجود صحابہ کے آپؓ کے مستحق خلافت ہونے پر اجماع کی وجہ سے، اور یہ حضرات وہ ہدایت یافتہ خلفاء راشدین ہیں جن کے بارے میں جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری سنت کو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور اسے ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑے رہنا، اور انھیں حضرات کے دورِ خلافت کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: میرے بعد مدتِ خلافت تیس سال ہوگی، چنانچہ اس تیس سالہ خلافتِ راشدہ کی آخری کڑی حضرت علیؓ ہیں۔

6۔امام حافظ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ۔المتوفی ۶۰۰ھ۔فرماتے ہیں:

و نعتقد أن خير هذه الأمة و افضلها بعد رسول الله صلى عليه وسلم صاحبه الأخص و أخوه فى الإسلام و رفيقه فى الهجرة و الغار و وزيره فى حياته و خليفته بعد وفاته عبدالله بن عثمان عتيق بن أبى قحافة - أبوبكر الصديق - ثم بعده الفاروق أبوحفص عمر بن الخطاب أعز الله به الإسلام و أظهر الدين .ثم بعده ذوالنورين ابوعبدالله عثمان بن عفان الذي جمع القرآن و أظهر العدل و الإحسان .ثم ابن عم رسول الله صلى عليه وسلم و ختنه على بن أبى طالب رضوان الله عليهم .فهؤلاء الخلفاء الراشدون و الأئمة المهديون .(عقيدة الحافظ عبدالغنى المقدسى صفحة ۹۹)

ترجمہ۔ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس امت میں حضور ﷺ کے بعد سب سے بہتر و افضل آپ ﷺ کے صحابیِ خاص، دینی بھائی، ہجرت و غار میں آپ کے رفیق، آپ ﷺ کی حیات میں آپ کے رفیق اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ عبداللہ بن عثمان عتیق بن ابوقحافہ (ابوبکر صدیق) ہیں۔رضی اللہ عنہ۔ پھر آپؓ کے بعد امت میں سب سے افضل و بہتر فاروق اعظم ابوحفص عمر بن الخطابؓ ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے اسلام کو عزت بخشی اور دین کو غالب فرمایا، پھر آپؓ کے بعد ذوالنورین ابوعبداللہ عثمان بن عفانؓ ہیں جنھوں نے قرآن جمع کیا اور عدل

واحسان کا بھرپور مظاہرہ فرمایا، پھر آپؓ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علی بن ابی طالبؓ ہیں، چنانچہ یہی حضرات خلفاء راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں۔

7۔ شیخ الاسلام امام ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمان الصابونی نیشاپوری رحمہ اللہ۔ المتوفی ۴۴۹ھ۔ فرماتے ہیں:۔

ویشهدون ویعتقدون أن أفضل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی، وأنهم هم الخلفاء الراشدون الذين ذكر النبي صلى عليه وسلم خلافتهم بقوله فيما رواه سعيد بن جمهان عن سفينة: الخلافة بعدي ثلاثون سنة ثم قال: أمسك خلافة أبى بكر سنتين، و عمر عشراً، و عثمان ثنتى عشرة، و علی ستاً .... فكان هؤلاء الأربعة الخلفاء الراشدين الخ. (عقيدة السلف للإمام اسماعيل النيسابوری الصابونی صفحة ۹۵، ۹۶، ۹۷)

ترجمہ۔ اہل السنہ والجماعہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، پھر عمرؓ ہیں، پھر عثمان ہیں، پھر علیؓ ہیں، اور یہی حضرات خلفاء راشدین ہیں، جن کی خلافت راشدہ کا ذکر جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے جو سعید بن جمہان کے طریق سے حضرت سفینہؓ نے روایت کیا کہ میرے بعد خلافت راشدہ تیس سال ہوگی، اس روایت کو نقل کرنے کے بعد سفینہؓ نے فرمایا: شمار کرو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت دو سال، حضرت عمرؓ کی دس سال، حضرت عثمانؓ کی بارہ سال اور حضرت علیؓ کی چھ سال۔۔۔۔ چنانچہ یہی چاروں حضرات خلفاء راشدین کہلاتے ہیں۔

8۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔ المتوفی ۷۲۸ھ۔ فرماتے ہیں:

لكن التى يضل فيها مسألة الخلافة، و ذلك أنهم يؤمنون أن الخليفة بعد رسول الله صلى عليه وسلم أبوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علی و من طعن فی خلافة أحد من هؤلاء فهو أضل من حمار أهله" (العقيدة الواسطية لإبن تيمية جلد ۲ صفحة ۲۱۴)

ترجمہ۔ جس مسئلے میں اختلاف کرنے والے کی تضلیل کی جائے گی وہ مسئلہ خلافت ہے، اور وہ یہ ہے کہ اہلسنت

اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد پہلے خلیفہ ابو بکرؓ ہیں، پھر عمرؓ ہیں، پھر عثمانؓ ہیں، پھر علیؓ ہیں، اور جو شخص ان خلفاء اربعہ میں سے کسی ایک کی بھی خلافت میں طعن کرے وہ اپنے گدھے سے زیادہ گمراہ ہے۔

9۔امام اکمل الدین محمد بابرتی رحمہ اللہ- المتوفی ۷۸۶ھ-خلفاء راشدین کے متعلق امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول کی توضیح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

والنبي صلى الله عليه وسلم عرف بالوحي و هو معجزة باهرة أن الخلافة تنتهي إلى ثلاثين سنة، و هكذا كانت فإن مدة خلافة أبي بكر رضى الله عنه سنتين، و مدة خلافة عمر رضى الله عنه كانت عشر سنين، و مدة خلافة عثمان رضى الله عنه كانت إثنتى عشرة سنة، و مدة خلافة على رضى الله عنه كانت ست سنين، والمجموع ثلاثون سنة و هم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون الذين ساروا سيرة الرسول عليه السلام ولم يعدلوا عن طريقته فى شيء، وهم الذين أشار النبي صلى الله عليه وسلم إليهم بقوله: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي تمسكوا بها. (شرح عقيدة أهل السنة والجماعة للبابرتي صفحة ١٤٥)

ترجمہ۔نبی کریم ﷺ نے وحی کے ذریعہ اس بات کو جان لیا تھا۔اور یہ آپ ﷺ کا کھلا معجزہ۔کہ تیس سال کی مدت کے اختتام تک خلافتِ راشدہ کا بھی خاتمہ ہو جائے گا، اور پھر ایسا ہی ہوا، اس لئے کہ خلافتِ صدیقی کی مدت دو سال ہے، خلافتِ فاروقی کی مدت دس سال ہے، خلافتِ عثمانی کی مدت بارہ سال ہے اور خلافت علوی کی مدت چھ سال ہے اور سب کا مجموعہ تیس سال ہے، اور یہی چاروں حضرات وہ خلفاء راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں جو سیرت نبوی پر مکمل قائم رہے اور آپ ﷺ کے طریقے سے ذرا بھی نہیں ہٹے، اور یہی وہ حضرات ہیں جن کی جانب حضور ﷺ نے اپنے فرمان:

"عليكم بسنتي و سن الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي"۔ میں اشارہ فرمایا ہے۔

10۔ابن ابی العز الدمشقی-المتوفی ۷۹۲ھ- نے اپنی کتاب "شرح العقيدة الطحاوية جلد ٢ صفحة ٧٢٦" میں مستقل عنوان قائم کیا ہے "الخلفاء الأربعة هم الخلفاء الراشدون" اور پھر اس عنوان کے تحت حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ثابت کیا ہے خلفاء راشدین کا اطلاق صرف خلفاء اربعہ۔ابو بکر، عمر، عثمان، علی

رضی اللہ عنہم۔ پر ہی کیا جا سکتا ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ

نوٹ۔ یہ تمام تر حوالجات ہم نے صرف عقائد کی کتب سے پیش کئے ہیں تا کہ قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ اہلسنت کے یہاں یہ مسئلہ محض تاریخی نہیں؛ عقیدے کا ہے۔ نیز اگر کسی کو اس مسئلے کی مزید تفصیل وتشریح دیکھنی ہو تو شروحات حدیث میں " علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین " اور " الخلافة بعدی ثلاثون سنة " کی تشریح دیکھ سکتا ہے۔ضروری وضاحت خلافتِ راشدہ؛ شریعت کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا اطلاق اہلسنت کے یہاں فقط خلفاء اربعہؓ کے تیس سالہ دورِ خلافت پر ہوتا ہے، شرعی اصطلاح سے ہٹ کر لغوی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو ہر انصاف پسند عادل حکمراں کو راشد کہا جا سکتا ہے اور اسی معنی کے اعتبار سے بعض بزرگوں کی کتب میں بعد کے بعض نیک حکمرانوں کے لئے راشد لکھا گیا ہے، لیکن یہ فقط لغوی استعمال ہے جس سے شرعی اصطلاح پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور اگر کسی نے اصطلاحی طور پر ہی بعد کے کسی حکمراں کو خلیفہ راشد کہا ہے تو یہ اس کی شاذ ومنفرد رائے ہے جو جمہور کے مقابلے مرجوح یا مردود ہے۔

قسط نمبر ١-

منکرین حدیث کی غلط فہمیوں کا ازالہ

جنید احمد قاسمی

استاذ حدیث وفقہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر بہار

دلیل نمبر ا۔ منکرین حدیث نئے رنگ و آہنگ میں آج بھی موجود ہیں۔اس لیے جن آیات کریمہ سے وہ اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں ان کا جائزہ لے کر جواب دینا ضروری ہے؛ تاکہ نئی نسل حدیث کی حجیت کے متعلق کسی طرح کے شبہہ کا شکار نہ ہو۔

پہلی آیت کریمہ (جسے وہ اپنے موقف کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں) یہ ہے: ”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ“ ان کا کہنا ہے کہ اس آیت کی رو سے قرآن بالکل آسان ہے، لہذا اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے کسی کی تعلیم اور تشریح کی حاجت نہیں۔ (مقدمہ درس ترمذی از حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)۔

منکرین حدیث کے استدلال کا جائزہ لینے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے تحت مفسرین کی آراء ذکر کر دی جائیں۔امام مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: **یسرنا** سے مراد اس کی تلاوت آسان کر دینا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اگر انسانوں کی زبان پر قرآن مجید کا پڑھنا آسان نہیں کر دیتا تو مخلوق میں سے کوئی بھی اسے نہیں پڑھ سکتا تھا۔علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یسرنا** سے مراد: **سهلنا لفظه ویسرنا معناه**۔ہم نے اس کے لفظ کو سہل اور معنی کو آسان بنا دیا۔ (تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر دیکھیں)

کیا واقعی قرآن کو ہر شخص کے لیے سمجھنا آسان ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چار طرح کے مضامین ذکر کئے ہیں: ١- آیات الاحکام ٢- آیات الجدل ٣- تذکیر بایام اللہ ٤- تذکیر بآلاء اللہ۔آیات احکام: اس میں حلال و حرام، جائز و ناجائز، فرائض، واجبات، اور عبادات و معاملات سے متعلق شرعی

احکام بیان کیے گئے ہیں۔آیات جدل ومناظرہ: ان میں مخالفین (مشرکین، یہود،نصاریٰ،اورمنافقین) کے عقائد کا عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے رد کیا گیا ہے اور اسلام کی حقانیت ثابت کی گئی ہے۔آیات تذکیر باآلاء اللہ (اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی): اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں،اس کی قدرتِ کاملہ اور کائنات کی نشانیوں (زمین و آسمان کی تخلیق وغیرہ) کا ذکر کر کے انسان کو شکر گزاری کی طرف راغب کرنا ہے۔آیات تذکیر بایامِ اللہ (اللہ کے خاص دنوں کی یاد دہانی): اس کا مطلب تاریخ کے ان یادگار اور فیصلہ کن دنوں کا ذکر کرنا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدد کی، انہیں انعامات سے نوازا، یا نافرمان قوموں پر اپنے عذاب اور سزائیں نازل کیں (جیسے قومِ نوح، عاد، ثمود اور فرعون کا انجام)۔ان تاریخی واقعات سے امت کو عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔(دیکھئے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر)

قرآن پاک کی چار قسموں میں سے تین کو مجمل آیات کے علاوہ تمام طرح کے لوگ سمجھ سکتے ہیں اور عبرت پکڑ سکتے ہیں۔البتہ آیات احکام اور ان کے علاوہ کی تینوں قسموں کی مجمل آیات کو جن کے سمجھنے کے لیے حقیقی شان نزول یا وضاحت کی ضرورت پڑتی ہے کو کما حقہ علماء کرام ہی سمجھ سکتے ہیں۔،اللہ تعالی فرماتے ہیں

"ولو رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ" (النساء) یعنی اس میں علماء کرام کی طرف معاملہ کو لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔حروفِ مقطعات کو علماء بھی نہیں سمجھ سکتے۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے حروف مقطّعات کے بعد واللہ اعلم بمراده کہا ہے۔۔اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

ظاہر سی بات ہے جب آیات کو اور بالخصوص آیات احکام اور مجمل آیات کو ہر طرح کے لوگ نہیں سمجھ سکتے تو تشریح کی ضرورت پڑے گی اور تشریح اسی ہستی کی معتبر ہوگی جو اس کتاب کی لانے والی ہے۔ظاہر ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔اور آپ کے قول وفعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔حدیث کا یہی مجموعہ قرآن مجید کی شرح ہے۔حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : "بعض لوگوں کو" وَلَقَدْ يَسرْنَا الْقُرْآن "پر سرسری نظر کرنے سے مجتہد بننے کی ہوس ہوئی ہے لیکن تیسیر للذکر سے تیسیر للاستنباط لازم نہیں۔اس کا تو سیدھا

مطلب یہ ہے کہ ترغیب وترہیب کے متعلق قرآن میں جومضامین ہیں وہ نہایت جلی ہیں اور وجوہ استنباط کا دقیق ہونا تو خود ظاہر ہے۔(بیان القرآن ۳ / ٤٧٩)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں: قرآن کریم کے مضامین دوقسم پر مشتمل ہیں، کچھ مضامین تو ایسے ہیں جن کا مقصد خوف خدا، فکر آخرت، انابت الی اللہ پیدا کرنا اور عام نصیحت کی باتیں کرنا ہے، اور کچھ مضامین ایسے ہیں جن میں احکام وشرائع اور اُن کے اصول بیان فرمائے گئے ہیں، ولقد یسرنا آیت پہلی قسم کے مضامین سے متعلق ہے، نہ کہ دوسری قسم کے مضامین سے جس کی دلیل یہ ہے کہ **ولقد یسرنا القرآن** کے ساتھ **للذکر** کی قید بڑھائی گئی ہے، اگر استنباط احکام بھی آسان ہوتا تو یہ قید نہ ہوتی۔

نیز"مِنۡ مُدَّکِر" فرمایا گیا ہے، نہ کہ "هَلۡ مِن مستنبط" یا "هَلۡ مِنۡ مُجتهد" اس کے علاوہ قرآن کریم کی کئی آیتوں میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ یہ کتاب بغیر رسول کے سمجھ میں نہیں آسکتی، مثلاً، وأَنزَلۡنَا إِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِلَ اِلَيۡهِمۡ (دیکھئے: مقدمہ درس ترمذی)

تو پھر ایسے میں منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کہ بغیر حدیث کے قرآن مجید سمجھ سکتے ہیں۔حقیقت واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔

سیدنا معاویہ رضؓ کی فضیلت میں وارد مشہور حدیث "اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا" کی تحقیق

ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی

حدثنا محمد بن یحیی، قال: حدثنا ابو مسھر، عن سعید بن عبدالعزیز، عن ربیعۃ بن یزید، عن عبدالرحمن ابن ابی عمیرۃ و کان من اصحاب رسول اللہ ﷺ عن النبی ﷺ انہ قال لمعاویۃ: اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً و اھدبہ۔

ترجمہ۔ حضرت عبدالرحمن ابن ابی عمیرۃؓ۔ جو حضور ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں۔ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے حضرت معاویہؓ کے متعلق فرمایا: اے اللہ اسے ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعہ دوسروں کو ہدایت عطا فرما۔

تخریج حدیث

(سنن الترمذی ۲ / ۲۲۴۔ مسند احمد بتحقیق احمد شاکر ۱۳ / ۵۳۹۔ تاریخ البخاری الکبیر ۵ / ۲۴۰۔ تاریخ بغداد ۱ / ۵۷۴۔ المعجم الاوسط للطبرانی ۱ / ۳۳۳۔ حلیۃ الاولیاء ۸ / ۳۵۸۔ المعجم الصحابہ لابن قانع ۲ / ۱۴۶۔ معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم ص ۱۸۳۶، رقم الترجمہ ۱۸۴۵۔ تاریخ ابن عساکر ۵۹ / ۸۴)

تحقیق رجال حدیث۔

(۱) محمد بن یحیی بن خالد الذھلی۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: محمد بن یحیی احفظ۔ محمد بن یحیی سب سے بڑے حافظہ والے ہیں۔ ایک جگہ کہتے ہیں: امام فی الحدیث۔ امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں: وارث الزھری۔ امام زہریؒ کے وارث و جانشین ہیں۔ ابوبکر بن زیاد کہتے ہیں: ھو عندی امام فی الحدیث۔ محمد بن یحیی میرے نزدیک علم حدیث میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں: ثقۃ مامون۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: ثقۃ ثبت

احدالأئمة فی الحدیث ۔ثقہ ثبت ہیں علم حدیث کے اماموں سے ایک ہیں ۔ابوبکر بن ابی داوَد کہتے ہیں: امیر المؤمنین فی الحدیث ۔فن حدیث میں امیر المؤمنین کا درجہ رکھتے ہیں ۔امام ابوحاتم فرماتے ہیں: ثقة ،امام اھل زمانه ۔امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: ھو امام من ائمة المسلمین ۔محمد بن یحیی مسلمانوں کے بڑے اماموں میں سے ایک امام ہیں ۔ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: ثقة صدوق امام من ائمة المسلمین ۔ثقہ صدوق ہیں مسلمانوں کے بڑے اماموں میں سے ایک امام ہیں ۔ امام ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں: امام اھل عصره بلامدافعة ۔ بلا اختلاف اپنے وقت کے امام ہیں ۔خطیب بغدادی کہتے ہیں: کان احدالأئمة العارفین و الحفاظ المتقنین و الثقات المامونین ۔خدا ترس اماموں ،پختہ حافظہ رکھنے والوں اور اغلاط سے محفوظ رہنے والے ثقات میں سے ایک ہیں ۔حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ثقة حافظ جلیل ۔ثقہ ہیں بڑے جلیل القدر حافظ حدیث ہیں ۔امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: الحافظ احدالاعلام شیخ الاسلام ۔حافظ حدیث ہیں چوٹی کے علماء میں سے ایک ہیں شیخ الاسلام ہیں ۔

(الجرح والتعدیل ۸ /۱۲۵ ۔تاریخ بغداد ۴ /۶۶۱ ۔تھذیب الکمال ۲۶ /۶۲۴ ۔تہذیب التہذیب ۳ /۲۸ ۷ ۔تقریب ص ۹۰۷ ۔تذکرۃ الحفاظ ۲ /۱۱۸ ۔تذھیب التہذیب ۸ /۳۲۹)

ان کے حفظ و اتقان اور امامت و جلالت پر تقریباً تمام محدثین کا اجماع ہے،امام مسلم کے علاوہ تمام اصحاب صحاح ستہ نے ان کی روایت لی ہے ۔

(۲)ابومسہر عبدالاعلی بن مسہر

امام یحیی بن معین ،ابوحاتم ،عجلی ،امام ابوداوَد اور ابوبکر بن ابی خیثمہ نے ثقہ قرار دیا ہے ۔ابوزرعہ دمشقی اور محمد بن عثمان تنوخی کہتے ہیں: احفظ الناس ۔ابوحاتم کہتے ہیں: کان امام اھل الشام فی الحفظ و الاتقان ۔حافظہ اور پختگی میں اہل شام کے امام ہیں ۔امام احمد بن حنبلؒ نے اثبت کہا ہے ۔خلیلیؒ کہتے ہیں: ثقة حافظ امام متفق علیه ۔حاکم کہتے ہیں: امام ثقة ۔ابن وضاح کہتے ہیں: ثقة فاضل ۔امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: **من اجل العلماء**

وافصحهم واحفظهم ۔ بڑے جلیل القدر علماء میں سب سے زیادہ فصیح اور حافظے والے ہیں ۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ثقة فاضل ۔

(الجرح والتعدیل ۶/۲۹ ۔ الثقات لابن حبان ۸/۴۰۸ ۔ تاریخ بغداد ۱۲/۳۵۰ ۔ الکاشف ۲/۱۷۲ ۔ تقریب التهذیب ۵۶۲ ۔ تهذیب الکمال ۱۶/۳۶۹ ۔ تهذیب التهذیب ۲/۴۶۷)

یہ متفق علیہ ثقہ ہیں اور کسی کی کوئی جرح ان پر نہیں ہے، بخاری مسلم سمیت تمام کتب ستہ کے راوی ہیں ۔

(۳) سعید بن عبدالعزیز التنوخی الدمشقی

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: **لیس بالشام رجل اصح حدیثا من سعید بن عبدالعزیز هو والاوزاعی عندی سواء** ۔ پورے ملک شام میں سعید بن عبدالعزیز سے زیادہ صحت کے ساتھ احادیث روایت کرنے والا کوئی نہیں ہے، یہ اور امام اوزاعی میرے نزدیک (علم وفضل اور حفظ واتقان میں) ہم پلہ ہیں ۔ اسحاق بن منصور، یحیی بن معین، ابوحاتم، عجلی اور علی بن مدینی نے ثقہ قرار دیا ہے ۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں: ثقة ثبت ۔ ابوعبداللہ الحاکمؒ کہتے ہیں: **سعیدبن عبدالعزیز لاهل الشام کمالک بن انس لاهل المدینة فی التقدم والفضل والفقه والامانة** ۔ اہل شام کے لئے سعید بن عبدالعزیز علمی برتری، علم وفضل اور فقہ وامانت میں وہی درجہ رکھتے ہیں جو اہل مدینہ کے لئے امام مالک بن انس رکھتے ہیں ۔ ابن سعد کہتے ہیں: کان ثقة ان شاء اللہ ۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: احدالأئمة ثقة ۔ ابن حجرؒ کہتے ہیں: **ثقة امام سواه احمد بالاوزاعی وقدمه ابومسهر** ۔ بڑے ثقہ امام ہیں، امام احمد نے انھیں امام اوزاعیؒ کے برابر قرار دیا ہے جب کہ ابومُسہر نے امام اوزاعی پر بھی فوقیت دی ہے ۔

(تاریخ الکبیر للبخاری ۳/۴۹۷ ۔ الثقات لابن حبان ۶/۳۶۹ ۔ الجرح والتعدیل ۴/۴۲ ۔ طبقات ابن سعد ۹/۴۷۲ ۔ تقریب التہذیب ۳۸۳ ۔ تہذیب الکمال ۱۰/۵۳۹ ۔ تہذیب التہذیب ۲/۳۲ ۔ میزان الاعتدال ۲/۱۴۲)

یہ بھی متفق علیہ اور بڑے درجہ کے ثقہ ثبت راوی ہیں، اہل شام کے لئے مسند کا درجہ رکھتے ہیں، بخاریؒ کے علاوہ تمام اصحاب صحاح ستہ نے ان کی روایت لی ہے امام بخاریؒ نے بھی الادب المفرد میں ان سے روایت لی ہے۔

(۴) ربیعۃ بن یزید الایادی الدمشقی

محمد بن سعد، ابن حبان، امام عجلیؒ محمد بن عمار موصلیؒ، یعقوب بن شیبہ، یعقوب بن سفیان اور امام نسائیؒ نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے، ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ثقۃ عابد

(طبقات لابن سعد ۹/ ۴۶۹ ۔تہذیب الکمال ۹/ ۱۵۰۔الثقات لابن حبان ۴/ ۲۳۲۔تقریب التہذیب ۳۲۳۔تہذیب التہذیب ۱/ ۶۰۱۔)

یہ بھی متفق علیہ ثقہ ہیں بخاری مسلم سمیت تمام کتب صحاح میں ان کی روایات موجود ہیں کسی محدث کی کوئی جرح ان پر ثابت نہیں۔

(۵) عبدالرحمن ابن ابی عمیرۃ المزنی

صحابی رسول ﷺ ہیں، خلاصہ یہ کہ اس روایت کے تمام راوی صحیحین کے ہیں اور ثقہ وثبت ہیں، کوئی ایک بھی راوی ضعیف نہیں ہے۔اسی لئے امام ترمذیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ھذا حدیث حسن ۔امام ابوعبداللہ الحسین بن ابراھیم الجورقانی (المتوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں: ھذا حدیث حسن (الاباطیل والمناکیر ص ۱۰۶)

متقدمین میں بیشمار محدثین نے اس روایت کو بغیر کسی جرح ونکیر کے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے جبکہ متأخرین میں بہت سے محققین نے صراحت کے ساتھ اس روایت کی تصحیح کی ہے۔مثلاً

علامہ ناصرالدین البانی فرماتے ہیں: رجالہ کلھم ثقات رجال مسلم فکان حقہ ان یصحح (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ رقم ۱۹۶۹) اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور مسلم شریف کے راوی ہیں لہذا اس روایت کا حق

بنتا ہے کہ اس کی تصحیح کی جائے ۔آگے اس روایت پر فنی بحث کے بعد فرماتے ہیں: وبالجملة فالحديث صحيح (ایضاً) خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے ۔مسنداحمد کے محقق حمزہ الزین فرماتے ہیں : اسناده صحيح (مسنداحمد ۱۳/ ۵۳۹)اس کی سند صحیح ہے ۔مسنداحمد کے ایک دوسرے محقق علامہ شعیب ارنوط فرماتے ہیں : رجاله ثقات رجال الصحيح (مسنداحمد الرسالۃ ۲۹/ ۴۲۶) اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، صحیح کے راوی ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت بالکل صحیح ودرست ہے اس کے تمام روات بخاری ومسلم کے متفق علیہ روات ہیں ،متقدمین میں سے کسی بھی محدث نے اس روایت پر کوئی کلام نہیں کیا۔

اعتراضات کا دفعیہ

اس روایت پر جو اعتراضات ہماری نظر سے گذرے اور جو ممکنہ طور پر ہو سکتے ہیں ہم ان تمام کے جواب عرض کرتے ہیں:

اعتراض نمبر ا۔

اس روایت کے راوی؛ عبدالرحمن بن ابی عمیرۃ صحابی نہیں ہیں ، نبی ﷺ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ،اس لئے یہ روایت مرسل ہے،اور مرسل ضعیف کی ایک قسم ہے۔

جواب۔ عبدالرحمن بن ابی عمیرۃ صحابی ہیں ،جمہور محدثین نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے، ہم ان اکابر محدثین کے چند نام ذکر کرتے ہیں جنھوں نے عبدالرحمن بن ابی عمیرۃ کو صحابی قرار دیا ہے: ملاحظہ ہو

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری ۔المتوفی ۲۵۶ ۔فرماتے ہیں: سمع النبی ﷺ (التاریخ الکبیر للبخاری ۵ / ۲۴۰) انھوں نے حضور ﷺ سے احادیث سنی ہیں ۔

(۲) امام محمد بن سعد بن منیعؒ ۔المتوفی ۲۳۰۔فرماتے ہیں: کان من اصحاب رسول اللہ ﷺ (طبقات ابن سعد ۹/ ۴۲۱) حضور ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں۔

(۳) امام عبدالرحمن بن ابی حاتم ۔المتوفی ۳۲۷ھ ۔فرماتے ہیں : له صحبة (الجرح والتعدیل ۵/ ۲۷۳) انھیں حضور ﷺ سے شرف صحبت حاصل ہے۔

(۴) امام ابوعیسی الترمذیؒ ۔المتوفی ۲۷۹ھ۔اس کی روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں : کان من اصحاب رسول اللہ ﷺ (ترمذی ۲/ ۲۲۴) حضور ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں۔

(۵) امام احمد بن حنبلؒ ۔المتوفی ۲۴۱ھ۔نے اپنی مسند ۱۳/ ۵۳۹ میں دیگر صحابہ کی طرح عبدالرحمن بن ابی عمیرہ کی بھی مرفوع احادیث نقل فرمائی ہیں جن میں حضور ﷺ سے سماع کی صراحت ہے جس سے پتہ چلا کہ آپ کے نزدیک بھی عبدالرحمن صحابی ہیں۔

(۶) امام ابوالقاسم الطبرانیؒ ۔المتوفی ۳۶۰ھ۔عبدالرحمنؓ کی روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وکان من اصحاب رسول اللہ ﷺ (المعجم الاوسط للطبرانی ۱/ ۳۳۳) حضور ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں۔

(۷) حافظ ابوالحسین ابن قانع ۔المتوفی ۳۵۱ھ۔نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور آپؓ کی متعدد احادیث بھی نقل کی ہیں (معجم الصحابة لابن قانع ۲/ ۱۴۶)

(۸) امام ابوحاتم البستی ۔المتوفی ۳۵۴ھ۔

(۹)ؒ امام سعید بن عثمان ابن السکن ۔المتوفی ۳۵۳ھ۔

(۱۰) امام ابوبکر ابن البرقی ۔المتوفی ۲۷۰ھ۔ (۱۱) امام عبدالصمد بن سعیدؒ ۔المتوفی ۲۰۷ھ۔ (۱۲) محمود بن ابراهیم ابوالحسن بن سمیع ۔المتوفی ۲۵۹ھ۔ان تمام کے حوالے سے حافظ ابن حجر نقل فرماتے ہیں:

قال ابو حاتم و ابن السکن له صحبة، ذکره البخاری و ابن سعد و ابن البرقی و ابن حبان و عبدالصمدبن سعید فی

الصحابة، وذکرہ ابو الحسن بن سمیع فی الطبقة الاولیٰ من الصحابة الذین نزلوا حمص۔ الخ (الاصابة ۴/۱۷۵)

ابوحاتم اور ابن السکن کہتے ہیں کہ انھیں حضور ﷺ کی صحبت حاصل ہے ،امام بخاریؒ ،ابن سعدؒ، ابن البرقیؒ ،ابن حبان اور عبدالصمد بن سعید نے بھی انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے ،اور ابوالحسن بن سُمَیع نے حمص آ کر آباد ہونے والے صحابہ کے طبقہ اولی میں انھیں ذکر کیا ہے۔

نمبر آٹھ سے لیکر نمبر بارہ تک ان مذکورہ حضرات میں سے بہت سوں کے اقوال حافظ ابن عساکرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں سند کے ساتھ ذکر کئے ہیں ،ملاحظہ ہو تاریخ ابن عساکر ۳۵/ ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۲۔

(۱۱) حافظ ابونعیمؒ اصفہانی۔المتوفی ۴۳۰ھ۔ نے صحابہ کی فہرست میں آپ کا نام شامل کیا ہے اور آپؓ کے طریق سے ایسی احادیث تخریج کی ہیں جن میں صراحت ہے کہ آپؓ نے جناب نبی ﷺ سے بالمشافہ احادیث سنی ہیں ۔(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم رقم ۱۸۴۵)

(۱۴) امام ابوالقاسم بغوی۔المتوفی ۳۱۷ھ۔ نے صحابہ میں آپ کا شمار کیا اور حضور ﷺ سے سنی ہوئی دو احادیث بھی آپ کی صحابیت پر بطور دلیل ذکر کی ہیں ۔(معجم الصحابۃ للبغوی ۴/ ۴۹۰)

(۱۵) امام ابوالحجاج مزیؒ ۔المتوفی ۷۴۲ھ۔فرماتے ہیں: له صحبة سكن حمص (تہذیب الکمال ۱۷/ ۳۲۱) آپ کو شرف صحابیت حاصل ہے، حمص میں قیام پذیر تھے۔

(۱۶) امام ذہبی۔المتوفی ۷۴۸ھ۔فرماتے ہیں :والاصح انه صحابی (تجرید اسماء الصحابة ۱/ ۳۵۳۔الکاشف ۲/ ۲۱۰) زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں۔

(۱۷) ابن حجر عسقلانیؒ ۔المتوفی ۸۵۲ھ۔عبدالرحمٰنؓ کی صحابیت کے متعدد دلائل پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فمجموعها يثبت لعبد الرحمن الصحبة فالذی يصحح الصحبة زائداً علی هذا (الاصابۃ ۴/ ۱۷۵) ان تمام دلائل کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن صحابی ہیں ۔ صحت صحابیت کے لئے اس سے زیادہ اور کیا

ثابت کیا جاسکتا ہے۔

(۱۸) حافظ ابن عساکرؒ۔المتوفی ۵۷۱ھ۔فرماتے ہیں:له صحبة روی عن النبی ﷺ احادیث (تاریخ ابن عساکر ۳۵/ ۲۲۹)انھیں حضور ﷺ کی صحبت حاصل ہے اور آپ ﷺ سے احادیث بھی روایت کرتے ہیں۔

(۱۹) علی بن سلطان القاری۔المتوفی ۱۰۱۴ھ۔فرماتے ہیں:عبد الرحمن بن ابی عمیرة بفتح فکسر مدنی صحابی (مرقات المفاتیح ۱۱/ ۳۸۰)عبدالرحمن ابن ابی عمیرہ۔عین کے زبر اور میم کے زیر کے ساتھ۔مدنی ہیں صحابی ہیں۔

معتبر ثقہ اور اکابر ائمہ محدثین کی ان صاف وصریح تصریحات کے بعد حافظ ابن عبد البرؒ اور ان کی متابعت میں بعض متأخرین کا عبدالرحمن بن ابی عمیرہؓ کی صحابیت سے انکار شاذ ومردود قول ہے جس کی جانب التفات نہیں کیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۲۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس روایت کے مرکزی راوی سعید بن عبدالعزیز کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہوگیا تھا اس لئے جب تک یہ پتہ نہ چل جائے کہ یہ روایت حافظہ خراب ہونے سے پہلے کی ہے تب تک اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

جواب۔ یہ اعتراض بھی بالکل باطل اور لغو ہے۔

اولاً۔

اس لئے کہ سعید بن عبدالعزیز سے اس روایت کو ان کے سب سے معتبر، مشہور اور حفظ و اتقان میں سب سے زیادہ فائق شاگرد ابومُسہر روایت کرتے ہیں، یہ دونوں استاد شاگرد دمشقی ہیں، سعید بن عبدالعزیز کا انتقال ۱۶۷ھ میں ہوا اس وقت ابومُسہر ۲۷ سال کے تھے، اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ابومُسہر طویل عرصے تک سعید بن عبدالعزیز کی خدمت میں رہے بالخصوص اس وقت جبکہ ابومُسہر کا اپنا بیان ہے:ینبغی للرجل ان یقتصر

علی علم بلدہ وعلی علم عالمہ فقد رأیتنی اقتصر علی سعیدبن عبدالعزیز فماافتقر معہ الی احد (تاریخ ابن عساکر ۲۱ / ۲۰۴) آدمی کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے شہر کے علم اور شہر کے (بڑے) عالم کے علم پر اکتفا کرے ، مجھے دیکھو! سعید بن عبدالعزیز پر اکتفاء کئے بیٹھا ہوں اور ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اور یہ ابو مُسہر وہی ہیں جو مسلسل بارہ سال اپنے استاد سعید بن عبدالعزیز کی خدمت میں رہے اور سعید بھی اپنے ان شاگرد کا اتنا احترام کرتے تھے کہ انھیں مجلس کے بالکل بیچوں بیچ اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا کرتے تھے، خود ابو مُسہر کا بیان ہے کہ سعید بن عبدالعزیز کے تمام شاگردوں میں کسی کو بھی مجھ سے زیادہ ان کی روایات یاد نہیں ہیں میں نے سعید کی تقریباً تمام حدیثیں سنی ہیں (کمافی تاریخ ابن عساکر ۳۳ / ۴۲۸، ۴۲۹) یہی وجہ ہے کہ کتب رجال میں سعید بن عبدالعزیز کی اکثر خبریں ابو مُسہر کی زبانی ہی منقول ہیں، اور ابو مُسہر بھی اپنے استاد کے اتنے قدردان تھے کہ انھیں امام اوزاعی پر فوقیت دیا کرتے تھے، اس لئے ان تمام باتوں کی موجودگی میں یہ کہنا انتہائی بچکانہ و نامناسب ہے کہ ابو مُسہر نے یہ روایت سعید سے اختلاط کے بعد سنی ہے، علامہ البانی نے کیا خوب کہا ہے :**افتراہ یقدمہ علی الاوزاعی وھو یروی عنہ فی اختلاطہ** (سلسلۃ الصحیحۃ ۴ / ۶۱۵) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سعید بن عبدالعزیز کو امام اوزاعی سے مقدم رکھنے والا (ابو مُسہر جیسا عظیم محدث) اختلاط کی حالت میں ان سے روایت لے گا؟

ثانیاً۔

اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ متابعت سے اختلاط کا عیب رفع ہو جاتا ہے اور اس روایت میں ابو مُسہر کے چار ثقہ متابع موجود ہیں جنھوں نے سعید بن عبدالعزیز سے یہ روایت سنی ہے

(۱) مروان بن محمد دمشقی (تاریخ ابن عساکر ۵۹ / ۸۰۔ تاریخ البخاری الکبیر ۵ / ۲۴۰۔)

(۲) ولید بن مسلم (مسند احمد ۱۳ / ۵۳۹۔ تاریخ ابن عساکر ۵۹ / ۸۱۔)

(۳) عمر بن عبدالواحد (تاریخ ابن عساکر ۵۹ / ۸۳)

(۴) محمد بن سلیمان الحرانی (تاریخ ابن عساکر ۵۹ / ۸۳)

ان تمام ثقہ متابعین کی موجودگی میں اختلاط کا دعوی بالکل باطل ولغو ہے، اسی لئے علامہ البانی فرماتے ہیں

فهذه خمسة طرق عن سعيدبن عبدالعزيز وكلهم من ثقات الشاميين ويبعد عادةً ان يكونوا جميعاً سمعوه منه بعدالاختلاط۔ (سلسلة الصحيحة ۴/۲۱۶) اس روایت میں سعید بن عبدالعزیز سے یہ پانچ طرق ہیں اور یہ تمام (سعیدبن عبدالعزیز کے علاقہ) شام کے ثقات ہیں، اس لئے عادةً یہ بات بہت مستبعد ہے کہ ان تمام نے اختلاط کے بعد ہی سعید بن عبدالعزیز سے یہ روایت سنی ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔

اس روایت کی سند میں اضطراب ہے، ابومُسہر اپنے استاد سعید اور عبدالرحمن ابن ابی عمیرۃ کے درمیان کسی واسطے کاذکر نہیں کرتے جبکہ سعید کے دوسرے شاگرد ولید بن مسلم اور عمر بن عبدالواحد اپنے استاد سعید اور عبدالرحمن ابن ابی عمیرۃ کے درمیان یونس بن میسرۃ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔

جواب۔

اس روایت میں سعید بن عبدالعزیز کے شاگرد ابومسہر، مروان اور محمد بن سلیمان تو "سعید عن عبدالرحمن" روایت کرنے پر متفق ہیں، جبکہ محمد بن مروان کے شاگردوں میں سلمۃ بن شبیب، عیسی بن ہلال، ابوالازھر اور صفوان بن صالح بھی "سعید عن عبدالرحمن" ہی روایت کرتے ہیں، ان تمام کی روایتیں تاریخ ابن عساکر ۵۹ / ۸۰، ۸ میں موجود ہیں، اسی طرح عمر بن عبدالواحد سے بھی کسی ایک آدھ طریق میں ممکن ہے کہ واسطہ کاذکر ہو جبکہ بقیہ تمام طرق میں کسی واسطے کا کوئی ذکر نہیں، ، اسی لئے حافظ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں: وقول الجماعة هو الصواب (تاریخ ابن عساکر ۵۹ / ۸۴)

خلاصہ یہ کہ سند میں اضطراب کا دعوی غلط ہے اور ثقہ روات کی ایک جماعت کے خلاف کسی ایک آدھ راوی کا قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا، علامہ البانی فرماتے ہیں:

فالاضطراب الذی ادعاه الحافظ بن حجران سلم به فلیس من النوع الذی یضعف الحدیث به ،لان وجوہ الاضطراب لیست متساویۃ القوۃ کمایعلم ذلک الخبیر بعلم مصطلح الحدیث۔(سلسلۃالصحیحہ ۴/۶۱۶)

جس اضطراب کا حافظ ابن حجرؒ نے دعوی کیا ہے۔اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کرلیا جائے۔تو وہ اس نوعیت کا نہیں ہے جس کی وجہ حدیث کو ضعیف قرار دیدیا جائے،اس لئے کہ اضطراب کی وجوہ آپس میں برابرقوت نہیں رکھتیں،جیسا کہ علم اصول حدیث سے باخبر شخص اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔

عبدالرحمن بن ابی عمیرۃ نے نبی ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی،اس لئے یہ روایت مرسل ہے اور مرسل ضعیف کی ایک قسم ہے۔

جواب۔

اولاً۔عبدالرحمن بن ابی عمیرۃ کا صحابی ہونا ثابت ہو چکا ہے اس لئے اگر یہ مان لیا جائے کہ عبدالرحمن نے یہ روایت ڈائریکٹ حضور ﷺ سے نہیں سنی تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ صحابہ کی مرسل روایات بالاتفاق حجت ہیں۔امام نوویؒ فرماتے ہیں:ھذا کلہ فی غیر مرسل الصحابی اما مرسلہ فمحکوم بصحتہ علی المذھب الصحیح ۔(تدریب الراوی ۲/۳۱۶)یہ گذشتہ تمام بحث غیر صحابی کے مرسل کے بارے میں ہے،بہرحال صحابی کی مرسل روایت توصحیح مذہب کے مطابق اس کی صحت کا حکم لگایا جائے گا۔امام سیوطیؒ؛نوویؒ کے اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں:

اما مرسلہ کاخبارہ عن شیٔ فعلہ النبی ﷺ او نحوہ ممایعلم انہ لم یحضرہ لصغر سنہ او تأخر اسلامہ فمحکوم بصحتہ علی المذھب الصحیح الذی قطع بہ الجمھور من اصحابنا وغیرھم ،واطبق علیہ المحدثون المشترطون للصحیح القائلون بضعف المرسل،وفی الصحیحین من ذلک مالایحصی۔الخ (ایضاً)

بہرحال صحابی کی مرسل روایت جیسے صحابی کا حضور ﷺ کے کسی ایسے قول وفعل کی خبر دینا جس کے بارے میں

یہ معلوم ہوجائے کہ حضور ﷺ سے اس قول وفعل کے صدور کے وقت یہ صحابی صغیر السن تھے یا مسلمان نہیں ہوئے تھے ،تو جمہور محدثین کے مذہب صحیح کے مطابق اس روایت پر قطعیت کے ساتھ صحت کا حکم لگایا جائے گا،اور جن محدثین نے اپنی کتب میں صحت کا التزام کیا ہے اور تمام تر مرسلات کوضعیف گردانا ہے وہ بھی مرسل صحابی کی صحت کے قائل ہیں ،صحیحین میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں ۔اس لئے اگر عبدالرحمن ابن ابی عمیرۃ ؓ نے یہ روایت حضور ﷺ کے بجائے کسی اور صحابی سے سنی ہوتو بھی بالکل صحیح و درست ہے ۔

ثانیاً۔

حافظ ابن حجرؒ نے الاصابۃ ۴ / ۱۷۵ پرمختلف محدثین کی کتابوں کے حوالے سے تقریباً پانچ ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں عبدالرحمن بن ابی عمیرۃ ؓ خود فرمارہے ہیں کہ یہ حدیثیں میں نے حضور ﷺ سے بالمشافہ سنی ہیں ،صحابی رسول ﷺ کے اپنی زبانی اقرار سے بڑی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے ۔واللہ اعلم۔

روایت کے دیگر طرق

اس روایت کی مذکورہ سند کے علاوہ مزید تین اسناد اور بھی ہیں جو اسے تقویت پہنچاتی ہیں ۔

پہلی سند :

قال الامام ابن عساکر علیہ الرحمۃ: اخبرنا ابو علی الحداد ۔اذناً ۔وحدثنی ابو مسعود عنہ ،انا ابو نعیم ،نا سلیمان بن احمد ،نا احمدبن یحیی بن خالد بن حیان الرقی ،نا موسی بن محمد البلقاوی ،نا خالدبن یزیدبن صبیح المری عن یونس بن میسرۃ عن عبدالرحمن ابن ابی عمیرۃ قال:سمعت رسول اللہ ﷺ ذکر معاویۃ فقال: اللھم اجعلہ ھادیا مھدیاو اھدہ و اھدبہ۔(تاریخ ابن عساکر ۵۹/۸۴)

دوسری سند :قال الترمذی علیہ الرحمۃ :حدثنا محمدبن یحی ،قال:حدثنا عبداللہ بن محمد النفیلی،قال :حدثنا عمرو بن واقد،عن یونس بن حلبس عن ابی ادریس الخولانی قال :لماعزل عمربن الخطاب عمیربن سعدعن حمص ولی معاویۃ،فقال الناس:عزل عمیرا وولی معاویۃ،فقال عمیر لاتذکروا معاویۃ الا بخیر ،فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول :اللھم اھدبہ۔(ترمذی ۲/ ۲۲۴ ۔تاریخ ابن عساکر ۵۹/۸۴ ۔)۔۔۔۔۔۔(بقیہ صفحہ ۶۵ پر)

شیعہ، خوجے اور بوہرے ... ایک جائزہ

مولانا حکیم محمود احمد خان دریابادی
رکن مسلم پرسنل لاء بورڈ و سرپرست تحریک تحفظ سنت

کچھ دنوں قبل بوہرہ فرقے کے تعلق سے ایک تحریر نظر سے گزری تھی۔اسی وقت سے خیال تھا کہ اس پر کچھ لکھوں گا، مگر ہجومِ کار نے اجازت نہیں دی، آج شب عاشور وقت نکال کر چند سطریں سپرد قلم کررہا ہوں۔

یہ تو اکثر احباب جانتے ہوں گے یہ تشیع کے بطن سے نکلا ہوا ایک فرقہ ہے۔ وہی شیعیت جس کا آغاز خلافت عثمانی میں ابن سبا اور اس کے متبعین کے ذریعہ ہوا تھا، اُن کے جہاں اور بہت سے غلط عقائد تھے وہیں بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علی حضور کے بلافصل جانشین، وصی اور حقیقی وارث ہیں۔ اگلے کچھ برسوں میں یہی شیعیت اس قدر تقسیم در تقسیم سے دو چار ہوئی کہ اصل کی شناخت ہی مشکل ہوگئی۔ شیعوں کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد حضرت علیؓ پہلے، حضرت حسنؓ دوسرے، حضرت حسینؓ تیسرے، زین العابدینؒ چوتھے اور امام باقرؒ پانچویں امام ہیں۔

اختلاف کا آغاز:

پانچویں امام تک سارے شیعہ متفق نظر آتے ہیں، مگر چھٹے امام سے اختلاف شروع ہوتا ہے، اثنا عشری شیعے، بوہرے اور خوجے وغیرہ امام باقرؒ کے لڑکے جعفر صادقؒ کو امام مانتے ہیں، مگر ایک طبقہ باقرؒ کے دوسرے لڑکے زیدؒ کو امام تسلیم کرتا ہے، یہ زیدی فرقہ کہلاتا ہے اگر چہ یہ فرقہ اعتقادی اور جذباتی طور پر شیعوں کے مقابلے میں ہمیشہ اہل سنت سے قریب رہا ہے، مشہور مصنف قاضی شوکانیؒ اسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے، یمن کے حوثی بھی زیدی ہیں مگر آجکل ایرانی اثرات نے انھیں شیعوں سے زیادہ قریب کردیا ہے۔

اگلا اختلاف :

امام جعفرؒ کو چھٹا امام ماننے والے اثنا عشری، بوہرے اور خوجے ساتویں امام میں پھر مختلف ہوگئے، اثنا

عشری جعفر صادقؒ کے لڑکے موسیٰ کاظمؒ کو ساتواں امام مانتے ہیں، مگر بوہرے خوجے جعفر صادقؒ کے دوسرے لڑکے اسماعیلؒ کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں، اس کے بعد بالترتیب امام رضاؒ، علی نقیؒ، علی تقیؒ اور حسن عسکریؒ، اثنا عشریوں کے آٹھویں نویں دسویں اور گیارہویں امام ہیں، مگر حسن عسکریؒ کے فرزند بارہویں امام مہدی اثنا عشری عقیدے کے مطابق چھ سال کی عمر میں اصلی قران، عصائے موسیٰؑ، انگشتری سلیمانؑ اور تابوت سکینہ جیسے انبیا کے موروثی تبرکات لے کر سامرہ (سرّ من رأیٰ) کے غار میں غائب ہو گئے، اور مبینہ طور پر اس وقت تک غائب رہیں گے جب تک دنیا میں ۳۱۳ پکے اور مخلص شیعہ نہ ہو جائیں، چنانچہ بارہ صدیاں گزر گئیں ساری دنیا کے شیعوں کی زبانیں، عجل اللہ فرجہ، عجل اللہ فرجہ؛ کہتے کہتے خشک ہوئی جارہی ہیں مگر اب تک مطلوبہ مقدار میں مخلص شیعے فراہم نہیں ہو سکے ہیں، جبکہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے تھے، اسی فرضی بارہویں امام کو امام زمانہ، امام غائب، مہدی موعود وغیرہ بھی کہتے ہیں، اسی مہدی موعود نے مسلمانوں کے اندر؛ بابیت، بہائیت، مہدویت، قادیانیت، دینداریت اور شکیل بن حنیف جیسے گمراہوں کو جنم دیا ہے۔

بارہواں امام:

تو خیر! ذکر شیعوں کے بارہویں امام کا تھا جو کمسنی میں اپنے وزن سے کہیں زیادہ بھاری بھرکم اشیاء لے کر پردہ غیب میں "تشریف بری" کر گئے، ابتدا میں موصوف کی "غیبت؛ غیبوبت صغریٰ" تھی یعنی مخصوص افراد کو ان سے ملنے اور عام شیعوں کے پیغامات عریضے وغیرہ پہونچانے کی اجازت تھی۔ انھیں مخصوصین میں یعقوب کلینی بھی تھے، اسی زمانے میں کلینی نے "اصول کافی" نامی کتاب مرتب کی. جو اثنا عشری شیعوں کے نزدیک صحیح ترین احادیث کا مجموعہ ہے، اس کتاب کو امام غائب کا سرٹیفکٹ بھی حاصل ہے، اسی کتاب میں امام غائب کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں "**هذا كافٍ لشيعتنا**" اسی بنیاد پر اس کتاب کا نام اصول کافی رکھا گیا ہے۔

اُس زمانے کی حکومت کو جب پتہ چلا کہ کچھ لوگ کسی غائب کا نمائندہ بن کر خلق خدا کو ٹھگ رہے ہیں تو تحقیقات شروع ہوئی، نام نہاد نمائندوں کو تلاش کیا جانے لگا تو سارے نمائندے خود بھی انڈر گراونڈ ہو گئے اور امام کی غیبت

صغری اب 'غیبو بت کبری' میں بدل گئی جو تاہنوز جاری ہے، اس کے بعد سے شیعوں کی درخواستیں اور عریضے امام زمانہ تک پہونچانے کا کام سمندر کے سپرد کر دیا گیا ہے، چنانچہ شعبان کی پندرہویں شب کو شیعے اپنی تمنائیں مرادیں اور ضروریات لکھ کر سمندر میں ڈالتے نظر آتے ہیں، جن علاقوں میں سمندر نہیں ہے وہاں عریضوں کو بہتے پانی دریا نہر وغیرہ میں اس امید کیساتھ پوسٹ کیا جاتا ہے کہ یہ بالآخر بہتے ہوئے سمندر تک پہونچ جائیں گے۔

بوہرے اور خوجے:

پہلے گزر چکا کہ چھٹے امام جعفر تک اثنا عشری، بوہرے اور خوجے متفق تھے البتہ ساتویں امام شیعہ اثنا عشریوں کے نزدیک موسی کاظم بن جعفر اور بوہروں خوجوں کے نزدیک اسماعیل بن جعفر ہیں، اب آگے مستنصر باللہ تک بوہرے اور خوجے متفق نظر آتے ہیں جو اُن کا اٹھارہواں امام ہے، مستنصر کے دولڑکے تھے "مستعلی" جس کو بوہرے انیسواں امام اور "نزار" جس کو خوجے انیسواں امام مانتے ہیں۔ آج کل کریم آغا خان خوجوں کا انچاسواں امام ہے، پیرس میں رہتا ہے انتہائی دولت مند ہے، مغربی معاشرت کا عادی ہے ریس کے گھوڑوں کا شوقین ہے، کسی دوسرے ملک میں جاتا ہے تو وہاں اسے کسی سربراہ مملکت جیسا سرکاری پروٹوکول دیا جاتا ہے، خوجے عام طور پر تجارت پیشہ اور متمول ہوتے ہیں، کچھ دنوں قبل تک ہندوستان کی سب سے مالدار شخصیت کہے جانے والے "پریم جی" بھی خوجہ ہیں۔

باطنی مذاہب:

یوں تو شیعہ بوہرہ اور خوجہ سارے 'باطنی' مذہب' ہیں؛ جس میں نصوص کے ظاہری معنی جو بھی ہوں مگر امام کی طرف سے ملنے والی سینہ بسینہ تعلیم کی بنیاد پر بتائے جانے والے باطنی معنی ہی معتبر سمجھے جاتے ہیں، چنانچہ نماز روزہ حج زکوٰۃ سے لے کر شیطان فرعون ہامان وغیرہ تک کے حقیقی معنی وہی سمجھے جاتے ہیں جو امام نے خاموشی سے بتائے ہوں۔ ان میں سب زیادہ باطنیت کا شکار خوجہ فرقہ نظر آتا ہے، چنانچہ خوجے نہ تو نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ حج زکات سے انھیں کوئی مطلب ہے، ان کی مسجدیں نہیں ہوتیں، جہاں ان کی قابل ذکر آبادی ہوتی ہے وہاں پر ایک عمارت

جماعت خانہ کے نام سے ضرور ہوتی ہے،جہاں مختلف موقعوں پر کئی طرح کے پروگرام ہوتے ہیں جن میں مرد وعورتیں مشترکہ طور پر شامل ہوتے ہیں،میوزک وغیرہ بھی ہوتا ہے،جماعت خانے کے ایک گوشے میں گرجاؤں اور مندروں کی طرح موم بتیاں اور ناریل بھی دکھائی دیتے ہیں،مجموعی طور پر خوجے صلح کلی مزاج رکھنے والے ہوتے ہیں،ان کے سربراہ آغا خان کی طرف سے ان لوگوں کے لئے ہاوسنگ سوسائیٹیاں،کوآپریٹو بنک،مفت علاج ومعالجہ کے لئے شاندار اسپتال وغیرہ کی سہولتیں دی جاتی ہیں،مذہب کے بارے میں عام خوجوں کو خود بھی کوئی معلومات نہیں ہوتی،اور نہ ہی ان کی مذہبی کتابیں ملتی ہیں،ان کے پڑھے لکھے لوگ بھی اپنے مذہب پر کبھی بات نہیں کرتے،ان لوگوں کے درمیان اصلاحی کام کرنے کی شدید ضرورت ہے،کچھ لوگوں نے ان کے درمیان کام کیا ہے الحمد اللہ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں ایک بڑی تعداد مذہب حق اختیار کر چکی ہے،ان کو سنی خوجہ کہا جاتا ہے،الحمد للہ سنی خوجوں کی مسجدیں ہیں قبرستان بھی ہیں؛لیکن افسوس یہ بھی ہے کہ ان کے درمیان اثنا عشریوں نے بھی محنت کی اور ایک تعداد شیعہ خوجہ بن گئی ہے،ان شیعہ خوجوں کی بھی اپنی مسجدیں اور قبرستان ہیں،ممبئی جیسے شہر میں شیعوں کی سرگرمیوں کے لئے سرمایہ فراہم کرنے والے یہی شیعہ خوجہ ہیں۔

بوہرے:

اب آتے ہیں ایک اور باطنی فرقے بوہروں کی طرف؛پہلے گزرچکا کہ اٹھارہویں امام کے بعد بوہرے اور خوجے الگ ہوگئے تھے،خوجوں نے نزار اور بوہروں نے مستعلی کو انیسواں امام مانا تھا،آگے بوہروں کا اکیسواں امام'طیب عامر'غائب ہوگیا،بوہروں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اس کے بعد بھی امامت کا سلسلہ جاری رکھتا ہے اور چھبیسویں امام سلیمان کو غائب مانتا ہے یہ سلیمانی بوہرہ کہلاتے ہیں،یہ بوہروں میں ایک چھوٹی سی ناقابل ذکر جماعت ہے،اس لئے ہم آگے اسی بوہرہ جماعت کا ذکر کریں گے جو اکیسویں کو غائب مانتے ہیں یہ داؤدی بوہرہ ہیں جو تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔

داعی مطلق :

اکیسویں امام کی غیبت کے بعد داؤدی بوہروں میں داعی مطلق کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، یہ امام کے بعد ان ہی کے نامزد کردہ ان کے نمائندے اور نائب ہوتے ہیں، ہر داعی اپنے بعد کا داعی نامزد کرتا ہے جس کو 'نص' کرنا کہتے ہیں، بوہرے اپنے داعی کو سیدنا کا لقب دیتے ہیں، ان داعیوں کو تمام بوہروں کے جان مال کا مالک اور بڑی حد تک خدائی اختیارات کا حامل بھی سمجھا جانے لگا ہے، داعی کی اجازت کے بغیر کوئی بوہرہ نہ تو شادی کر سکتا ہے نہ اپنے بچے کا نام رکھ سکتا ہے، حج وعمرے کے لئے بھی اجازت جس کو 'رضا' کہتے لینا ضروری ہے، ہر موقعے پر داعی کی خدمت میں 'نذرانہ' دینا لازم ہے، میت کی تدفین کے لئے بھی داعی کی اجازت درکار ہوتی ہے، چنانچہ باغیوں کو ان کے قبرستانوں میں دفن نہیں کیا جاسکتا، غرض بوہرہ داعیوں کی ایک اپنی ریاست ہوتی ہے عرب ممالک میں انھیں 'سلطان البواھر' بھی کہا جاتا ہے، بوہرہ داعی ہر علاقے میں عامل مقرر کرتا ہے جس کا کام مقامی بوہروں کے مذہبی امور نکاح وغیرہ انجام دینا اور نذرانوں کو داعی کے دفتر تک پہونچانا ہے، چند عاملوں کے اوپر ایک 'مکاثر' ہوتا ہے جو عاملین کی کارکردگی پر نظر رکھتا ہے، مکاثر کے اوپر 'ماذون ہوتا ہے، ماذون کے اختیارات بہت زیادہ ہوتے ہیں، داعی کا دفتر ایک سکریٹریٹ کے طور پر کام کرتا ہے، مختلف امور کے الگ الگ نگراں ہوتے ہیں، مثلا اہل سنت اور دیگر اسلامی فرقوں سے تعلقات کے لئے الگ ذمہ دار ہے جو وقت ضرورت مسلمان مشاہیر سے رابطے میں رہتا ہے اور داعی کے حکم کے مطابق مشترکہ مسلم معاملات میں بوہروں کی نمائندگی کرتا ہے، حکومتی سطح پر وزراء سے رابطے کا الگ ذمہ دار ہے جو آنے والی ہر حکومت تک بوہروں کی ہمدردی پہونچاتا ہے، چنانچہ چند سال قبل ممبئی میں ان کے سیفی اسپتال کے افتتاح کے لئے اس وقت کے وزیراعظم منموہن سنگھ آئے تھے، اور پچھلے دنوں وزیراعظم مودی نے موجودہ داعی سے اس کی رہائش گاہ پر ملاقات کی تھی، اس سے قبل کے وزرائے اعظم نہرو، اندرا، راجیو گاندھی وغیرہ سے بھی اس وقت کے داعیوں کے اچھے تعلقات رہے ہیں، حد تو تب ہوگئی جب موجودہ ۵۳ واں داعی مفضل سیف الدین۔ جو اس سال پاکستان میں محرم کی مجلسیں پڑھ رہا ہے۔ سے مشہور مبلغ مولانا طارق جمیل نے

بھی اس کی قیام گاہ پر ملاقات کر کے اس کی اڑھائی ہوئی شال قبول کی، اس کا ویڈیو شوشل میڈیا پر بھی دیکھا گیا، اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ بوہروں کا شعبہ رابطہ عامہ کتنا مضبوط اور مستعد ہے۔ بوہرہ داعی ہر سال الگ الگ ملکوں میں محرم کی مجلسیں پڑھتا ہے، جہاں بھی یہ مجلسیں ہوتی ہیں وہاں بڑی تعداد میں ساری دنیا سے بوہرے پہونچتے ہیں، ان مجلسوں میں تبرا بھی کیا جاتا ہے مگر چونکہ یہ مجلسیں گجراتی زبان میں ہوتی ہیں اس لئے عموما مسلمانوں کے سمجھ میں نہیں آتیں۔ دراصل غالباً ۱۹۹۰ء میں اس وقت کے داعی برہان الدین نے ممبئی میں محرم منایا تھا اور آخری مجلس میں اس نے ام المومنین اور خلفاء ثلاثہ پر تبرا کیا، چونکہ ممبئی میں گجراتی عام طور پر سمجھی جاتی ہے اس لئے اسی وقت ہنگامہ ہوگیا، کچھ مسلمان اس کی مجلس میں گھس گئے مار پیٹ ہوئی، دوسرے دن بڑا احتجاجی جلسہ ہوا تین دن کے اندر عوامی طور پر معافی کا مطالبہ کیا گیا، مگر معافی کے بجائے مضحکہ خیز وضاحتی بیان دے کر معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی گئی، پھر وہ ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، ہزاروں مسلمانوں نے بوہرہ علاقے کو گھیر لیا، توڑ پھوڑ ہنگامے ہوئے، دو بوہرے ہلاک بھی ہوئے، بہر حال بعد از خرابی بسیار برہان الدین نے ٹیلی ویژن پر اس وقت کے وزیر اعلی شرد پوار کی موجودگی میں تحریری معافی مانگی، تب جا کر یہ معاملہ ختم ہوا۔

بغیر نص کے دعوت:

پہلے گزر چکا کہ داعی کے لئے انتہائی ضروری یہ ہے کہ اس کو اس سے پہلے کے داعی نے نامزد کیا ہو اسی کو 'نص' بھی کہتے ہیں، مگر بوہرہ تاریخ میں نص سے متعلق بھی ایک تنازعہ موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ چھیالیسویں داعی بدرالدین کی موت نص کرنے سے پہلے ہی ہوگئی تھی، اس لئے سینتالیسویں داعی عبد القادر نجم الدین کو شرعی داعی نہیں کہا جاسکتا، سورت میں بوہروں کا سب سے بڑا مذہبی مدرسہ جامعہ سیفیہ ہے، اس کے ایک سینئر شیخ نے اپنے درس میں یہی بات کہہ دی تھی کہ موجودہ دعوت بغیر نص کے چل رہی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں بعد پر اسرار طور پر ان کی موت ہوگئی۔ موجودہ داعی مفضل سیف الدین کے بارے میں بھی تنازعہ ہے، پچھلے داعی برہان الدین کے بھائی خزیمہ قطب الدین نے باقاعدہ عدالت میں دعوی کیا ہے کہ نص میرے بارے میں ہے اس لئے داعی ہونے کا حق

مجھے ہے، برہان الدین نے خزیمہ کو ماذون بھی بنایا تھا مگر عام بوہروں نے اس دعوے کو قبول نہیں کیا اور پھر خزیمہ کا انتقال بھی ہو گیا ہے۔ خزیمہ نے برہان الدین کی زندگی میں جانشینی کا کوئی دعوی نہیں کیا، اس کے بعد اس نے نہ صرف یہ کہ داعی ہونے کا دعوی کر دیا بلکہ جب عام بوہروں نے توجہ نہیں دی تو عدالت کا بھی سہارا لیا تب بھی بوہروں نے گھاس نہیں ڈالی۔ اس سے پہلے امید کی جارہی تھی کہ برہان الدین اپنے بڑے لڑکے حذیفہ کو جانشین بنائے گا کیوں کہ اس کی زندگی میں عام طور پر وہی ساتھ ساتھ رہتا تھا، ہر اس موقع پر جہاں برہان الدین کی نیابت کرنی ہوتی تھی وہی کرتا تھا، مگر جب حیرت انگیز طور پر برہان الدین نے مفضل کو نامزد کر دیا تب بھی حذیفہ سمیت تمام بوہروں نے بسر وچشم بلا حیل وحجت تسلیم کر لیا اس سے بوہروں کی اپنی داعی سے عقیدت اور ان کے جذبہ سمع وطاعت کا پتہ چلتا ہے۔

بوہرہ باغی گروپ:

۵۱ ویں داعی طاہر سیف الدین کے وقت سے جب عام بوہروں پر ان کی زیادتیاں، چیرہ دستیاں اور ناانصافیاں زیادہ ہونے لگیں تو بوہروں کے درمیان اصغر علی انجینئر، نعمان کنٹراکٹر وغیرہ کی قیادت میں اصلاحی تحریک شروع ہوئی، اس دوران نعمان کی لڑکی کی شادی میں کوئی بوہرہ قاضی نکاح پڑھانے کو تیار نہیں ہوا، اس کے انتقال پر کسی بوہرہ قبرستان میں اسے دفن نہیں کرنے دیا گیا۔ ممبئی مرکنٹائل بنک ایک بوہرہ اللہ بخش نے قائم کیا تھا، زین الدین رنگون والا مینجنگ ڈائرکٹر بھی بوہرہ تھے، یہ لوگ بھی بوہرہ سربراہ کے مظالم سے تنگ آکر اصلاحی تحریک کے ساتھ ہو گئے، چنانچہ داعی مطلق نے فرمان جاری کر دیا کہ سارے بوہرے اس بنک کا بائیکاٹ کریں اپنا سارا سرمایہ نکال لیں، اس کی ملازمت چھوڑ دیں، تقریبا سارے بوہروں نے وہاں کے اپنے اکاونٹ بند کر دئے، سرمایہ دوسرے بنکوں میں منتقل کر دیا، نوکریاں چھوڑ دیں، اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ یہ نوکریاں دوسرے مسلم نوجوانوں کو مل گئیں۔

اس اصلاحی تحریک کو عام مسلمانوں کی ہمدردیاں اور انصاف پسند غیر مسلموں کی حمایت بھی حاصل تھی، یہ تحریک

اور بھی کامیاب ہوتی مگر بوہرہ داعیوں کی دولت ان کی داد و دہش نے بہتوں کو خاموش کر دیا، نیز یہ تحریک بوہروں تک محدود رہنے کے بجائے چھاگلہ،حمید دلوائی وغیرہ کے اثرات کا شکار ہو کر مسلم پرسنل لاء اور کامن سول کوڈ وغیرہ کے سلسلے میں عام مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگی جس کی وجہ سے مسلمان بھی اس سے دور ہوتے چلے گئے۔

بوہرہ کالونی:

اکیاون ویں داعی طاہر سیف الدین کی موت کے بعد اسے بھنڈی بازار ممبئی کے بوہری محلہ میں دفن کیا گیا، پھر اسکی قبر پر عالیشان مقبرہ تعمیر ہوا، پھر ۱۹۷۵ء میں اس کے افتتاح کے لئے صدر جمہوریہ فخرالدین علی احمد، شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم، قاری عبدالباسط مصری، قاری خلیل الحصری سمیت متعدد مسلم مما لک کے وزراء اور سفراء بھی شریک ہوئے، کچھ اور علما کا نام بھی لیا جاتا ہے مگر مجھے اس کی تحقیق نہیں ہے۔ پچھلے سال باونویں داعی برہان الدین کو بھی وہیں دفن کیا گیا ہے۔اب مقبرے کی آس پاس کی تمام عمارتیں بوہروں نے زبردستی زور دباؤ اور لالچ دے کر خرید لی ہیں، ساری بلڈنگیں توڑ کر از سر نو تعمیر کی جا رہی ہیں، حکومت سے پلان منظور کرالیا گیا ہے، آس پاس کی مساجد اور مزارات کو بھی ہٹانے کا پروگرام تھا مگر مقامی لوگوں کی مخالفت کے ڈر سے ایسا نہیں ہو پایا ہے، وہ دن دور نہیں جب بھنڈی بازار جیسا مسلم اکثریتی علاقہ بوہرہ اکثریتی علاقہ ہو جائے گا۔

حرف آخر:

ابتدا میں صرف بوہروں پر ہی لکھنے کا ارادہ تھا مگر لکھتے لکھتے پوری شیعت بیان ہوگئی۔شیعوں اور بوہروں کے کچھ اور چھوٹے چھوٹے فرقے ہیں جیسے 'نصیری' جو حضرت علی کو خدا مانتے ہیں انھیں علوی بھی کہا جاتا ہے، شام کا بشار رجیم 'اسی فرقے سے تعلق رکھتا ہے، اسی طرح شیعوں کا ایک فرقہ 'اخباری کہلاتا ہے، یہ تقلید کے بجائے ظاہری روایات پر عمل کرتے ہیں، بوہروں کا ایک فرقہ دروزی' اور ایک 'علوی بھی ہے، یہ سب چھوٹے فرقے ہیں اور ان کے بارے میں معلومات بھی دستیاب نہیں ہیں۔

قسط اول۔

تذکرہ محدثین بنی مَنْدَہ

ابوحنظلہ عبدالاحد قاسمی

قدیم تاریخی اور علمی شہر اصفہان کے محدثین کا ایک عظیم الشان مثالی خاندان جس کی نظیر زمانۂ قدیم سے آج تک ملنی مشکل ہے، اللہ رب العزت نے اس خاندان میں علم حدیث کو ایسا دوام بخشا کہ تقریباً تین سو سال اور مسلسل آٹھ پشتوں تک اس خاندان میں علم حدیث اور روایت و اسناد کا ڈنکا بجتا رہا، اس خاندان کے کئی محدث متفقہ طور پر مسندِ وقت اور پورے عالم کے مرجع و ماخذ کی حیثیت رکھتے تھے، اسی لئے مشہور محدث حافظ ابوعلی نیساپوریؒ فرماتے ہیں: بنو مندة اعلام الحفاظ فی الدنیا قدیماً و حدیثاً (سیر اعلام النبلاء ۱۷/ ۳۲ ۔تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۱۰۳۳)

اس خاندان میں روایت حدیث کا ایسا بے مثال اور حیرت انگیز تسلسل تھا کہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے، گویا خاندان بنومندہ کے ایک ایک فرد نے تحدیث و روایت میں شغف رکھنے کا عہد کر لیا تھا، حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

ماعلمت بیتاً فی الرواة مثل بیت بنی مندة، بقیت الروایة فیهم من خلافة المعتصم والی بعد الثلاثین و ست مئة۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۷/۳۹) بنی مندہ کے گھرانے جیسا؛ راویانِ حدیث کا کوئی گھرانہ میرے علم میں نہیں ہے، اس گھرانے میں روایتِ حدیث کا سلسلہ معتصم کے زمانۂ خلافت (دوسری صدے کے اوائل) سے لیکر ۶۳۰ سنہ ھ کے بعد تک رہا ہے،

چونکہ اس خاندان کے ہر ایک محدث کے ساتھ "ابن مندہ" کا لاحقہ لگا ہوتا ہے جس کی وجہ سے عام قاری کو ایک دوسرے کے تعارف میں اشتباہ ہونا یقینی سا ہے؛ اس لئے ناچیز نے ان تمام محدثین کا مختصر تعارف پیش کرنے کی کوشش کی ہے؛ تاکہ عام قاری کا اشتباہ بھی ختم ہو اور ان پاکباز ہستیوں کے تذکرے کی برکت بھی حاصل ہو جائے

خاندانِ مَنْدَہ کے اجداد

یہ شہرِ اصفہان کا وہ خاندان ہے جس کے جد امجد "فیروزان" سنہ ۱۹ھ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے اصفہان کو فتح کرنے کے لئے آنے والے اصحاب رسول ﷺ کے لشکر جرار کے مقابلے حاکم اصفہان کے ہراول دستے کے امیر تھے، جن کا نام فیروزان اور لقب اُستُند ار تھا، جنگ کی ابتداء میں ہی اصحاب رسول ﷺ سے شکست کھانے کے بعد اُستندار نے صلح کر لی اور پھر انھیں صحابہؓ کے ہاتھوں مسلمان ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد عرب کی روایت کے مطابق قبیلہ عبدالقیس سے ان کے ولاء کا تعلق ہوا جس کی وجہ سے انھیں عبدی کہتے ہیں اور بنوثقیف کی شاخ عبد یالیل میں اُستندار نے شادی کی جس سے ان کی اولاد کا سلسلہ چلا؛ اس لئے اُستندار کی اولاد کو اخوال (ماموؤں) کی جانب سے ثقفی بھی کہا جاتا ہے، اسلام قبول کرنے سے پہلے یہ خاندان مجوسی تھا۔

مَنْدَہ

اُستندار کی تیسری پشت میں ان کی پیدائش ہوئی، ان کا نام ابراہیم بن الولید ہے اور مندہ لقب ہے۔ مندہ کا سلسلہ نسب یوں ہے: مندہ ابراہیم بن الولید بن سَندہ بن بُطّہ بن اُستندار۔ (ذکر اخبار اصبهان لابی نعیم ۱/۱۷۸، و ۲/۲۲۲) سنہ ۲۲۰ھ کے آس پاس ان کی وفات ہوئی؛ اور پھر انھیں کی اولاد میں محدثین کا یہ عظیم الشان تاریخی سلسلہ چلا جس کا مختصر تعارف ذیل میں ہے۔

(۱) ابوزکریا یحیی بن مندہ الثقفی

یہ بنومندہ کی پہلی شخصیت ہیں جن کے ذریعہ اس خاندان میں علم وفضل اور روایت وحدیث کا سلسلہ شروع ہوا، حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: بنو مندة بدئت بيحيى (سیر اعلام) بنومندہ میں علم وفضل کا سلسلہ یحیی کے ذریعہ شروع ہوا، یہ اگرچہ خود روایتِ حدیث میں بہت زیادہ مشہور نہیں ہو سکے لیکن ان کی والاد واحفاد نے ایک عرصے تک روایت وحدیث کی دنیا میں سلطنت کی ہے۔

حافظ ابونعیمؒ لکھتے ہیں: یحیٰی بن مندہ ثقفی کی کنیت ابوز کریا ہے، انھوں نے حمیدی اور ابوسفیان صالح سے اور اِن سے ابوعلی الصحاف نے سماعتِ حدیث کی ہے۔(ذکر اخبار اصبھان ۲/۳۵۹)

ان کی تاریخ وفات کا صحیح علم نہیں ہوسکا لیکن طبقے کے اعتبار سے اغلب یہی ہے کہ ۲۵۰ھ کے بعد ہی ان کی وفات ہوئی۔ان کے دو بیٹے تھے،محمد اور عبدالرحمان

(۲) محمد بن یحیی ابوعبداللہ بن مندہؒ

امام کبیر امام ابوعبداللہ محمد بن یحیی بن مندہ اپنے وقت کے عظیم محدث اور امام جلیل تھے،

محمد بن یحیی نے ہناد بن السریؒ، ابوکریب محمد بن العلاءؒ، محمد بن بشارؒ، ابوسعید الاشجؒ، اسماعیل بن موسی السدیؒ، احمد بن الفراتؒ اور سہل بن عثمانؒ جیسے اکابر محدثین سے حدیث کی سماعت کی جو اصحاب صحاح ستہ کے بھی شیوخ ہیں، نیز ان کے شاگردوں میں امام طبرانیؒ، ابوالشیخؒ محمد بن احمد بن عبدالوہابؒ اور قاضی ابواحمد العسالؒ جیسے اکابر واساطین حفاظ حدیث شامل ہیںؒ، اس اعتبار سے محمد بن یحییؒ؛ امام ترمذیؒ، ابوداودؒ، ابن ماجہؒ اور نسائیؒ وغیرہ کے ہم طبقہ ہیں اور بعض شیوخ میں بخاریؒ ومسلمؒ کے بھی ہم طبقہ ہیں۔

علماء محدثین نے نہایت شاندار اور زوردار الفاظ میں انھیں خراج تحسین وتوثیق پیش کیا ہے اور ان کے حفظ واتقان کو تسلیم کیا ہے؛ چنانچہ امام ابوحاتم رازیؒ فرماتے ہیں:

صدوق ثقة من الحفاظ : محمد بن یحیی صدوق اور ثقہ حفاظ حدیث میں سے ہیں (الجرح والتعدیل ۸/۱۲۵)

حافظ ابوالشیخ اصبہانیؒ فرماتے ہیں :هو استاذ شیوخنا وامامهم : ہمارے شیوخ کے استاد وامام ہیں (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۸۹) حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: الامام الکبیر الحافظ المجود الرحال : بڑے درجے کے امام، عمدہ قسم کے حافظ حدیث، روایت حدیث کے لئے دنیا بھر میں پھرنے والے۔(سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۸۸۔تذکرة الحفاظ ۲/۷۴۱)

تقریباً ۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۱ھ میں فوت ہوئے۔فرحمہ اللہ رحمة واسعة

(۳) ابومحمد عبدالرحمان بن یحیی بن مندہ

یہ محمد بن یحیی کے چھوٹے بھائی ہیں، بڑے بھائی کی طرح روایت حدیث میں بہت زیادہ مشہور نہیں ہو سکے، حافظ ابونعیمؒ فرماتے ہیں: عبدالرحمان بن یحیی ؛ابومسعود اور عقیل سے روایت کرتے ہیں (ذکراخبار اصبھان ۲/۱۱۷) ۳۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۴) ابوسعید سفیان بن محمد بن مندہ

ابوسعید سفیان بن محمد بن یحیی بن مندہ، یہ محمد بن یحیی (مذکور) کے بڑے بیٹے ہیں، اپنے والد کے علاوہ احمد بن یونس وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں، حافظ ابونعیمؒ نے ذکراخبار اصبھان ۱/۳۴۱ پر ان کا ترجمہ لکھا ہے، ۳۱۹ھ میں فوت ہوئے۔

(۵) ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن مندہ

ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن یحیی بن مندہ، یہ محمد بن یحیی (مذکور) کے منجھلے بیٹے ہیں، حافظ ابونعیمؒ فرماتے ہیں: ابراہیم بن محمد حافظ حدیث ہیں اور احمد بن خشام اور ابوبکر بن النعمان وغیرہ سے حدیث روایت کرتے ہیں (ذکراخبار اصبھان ۱/۱۹۷) ۳۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

(۶) ابویعقوب اسحاق بن محمد بن مندہ

ابویعقوب اسحاق بن محمد بن یحیی بن مندہ، یہ محمد بن یحیی (مذکور) کے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور بقیہ تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف ہیں، حافظ ابونعیمؒ فرماتے ہیں: **کان من بیت الحدیث والروایة**۔حدیث و روایت کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، عبداللہ بن محمد بن نعمانؒ، ابن ابی عاصمؒ اور بزارؒ سے احادیث کی سماعت کی ہے۔(ذکراخبار اصبھان ۱/۲۲۱) ان کی روایتیں زیادہ تر ان کی اولاد میں ہی مروی ہیں۔ ۳۴۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۷) ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہ ؒ

خاندانِ بنو مندہ کی سب سے بڑی اور سب سے مشہور شخصیت، محدث کبیر، امام جلیل، الحافظ الجوال، شیخ الاسلام والمسلمین ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحیی بن مندہ اصبہانی ؒ اُن حفاظ حدیث اور ائمہ ثقات میں سے ہیں جن کی جلالت، حفظ واتقان اور عظمت شان پر محدثین کا اتفاق ہے؛ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ دنیا کی تاریخ میں حصولِ علم اور سماعت حدیث کے لئے جتنے اسفار ابوعبداللہ بن مندہ نے کئے اتنے اسفار کسی بھی محدث نے نہیں کئے، یہی وجہ ہے کہ جتنے مشائخ اور اساتذہ سے سماعت حدیث کا شرف انھیں حاصل ہے دیگر بڑے بڑے محدثین اس کے قریب بھی نظر نہیں آتے، ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی وہ نام ہے جس کی عظمت اور ہیبت سے محدثین کے قلوب معمور ہیں، اپنے زمانے میں جتنی شہرت وعزت، علمی قابلیت وصلاحیت انھیں ملی شاید ہی کسی کو ملی ہو۔

سنہ ۳۱۰ھ میں اصبہان میں پیدا ہوئے اور سات سال کی عمر میں سماعتِ حدیث کی شروعات کردی، اس کے بعد طلبِ حدیث کے لئے نکل پڑے اور ایسے نکلے کہ اسلامی تاریخ میں آپ کے جیسے طویل اسفار کی نظیر ملنا مشکل ہے، حتی کہ آپ کا لقب ہی جوّال ورحّال پڑ گیا، محدثین جب بھی آپ کا تذکرہ کرتے ہیں آپ ؒ کے نام کے ساتھ جوّال ورحّال کا لقب ضرور لگاتے ہیں، حافظ ذہبی ؒ جیسے ماہر رجال وتاریخ بھی فرماتے ہیں: لم أعلم أحداً کان أوسع رحلةً منه (سیر اعلام ۱۷/ ۳۰) طلب حدیث کے لئے ان سے زیادہ اسفار کرنے والا کوئی دوسرا آدمی ہمارے علم میں نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں: **وطوّف الأقالیم وکتب بیده عدة أحمال وبقی فی الرحلة نحواً من أربعین سنة**۔ ابوعبداللہ ؒ نے دنیا بھر کا چکر لگایا اور اپنے ہاتھ سے بہت ساری سواریوں کے وزن کے برابر احادیث کا ذخیرہ لکھا اور تقریباً چالیس سال کا عرصہ طلبِ حدیث کے سفر میں گذارا (لسان المیزان ۶/ ۵۵۶) امام باطرقانی ؒ فرماتے ہیں: **سمعت ابا عبدالله یقول: طفت الشرق والغرب مرتین**۔ میں نے دو بار مشرق سے مغرب تک دنیا بھر کا سفر کیا ہے (سیر اعلام)

طلبِ حدیث میں مسلسل طویل ترین اسفار کی وجہ سے آپ کے شیوخ کی تعداد بھی بیشمار ہے، حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: **فبلغنا أن عدة شيوخه ألف و سبع مئة** ۔آپؒ کے شیوخ کی تعداد ایک ہزار سات سو ہے (سیر اعلام ۱۷/۳۰) بلکہ ابوالحسن الاسکاف کی روایت کے مطابق آپؒ کے شیوخ کی تعداد تیس ہزار ہے جن میں ہر ایک سے کم از کم دس روایتیں آپؒ نے سنی ہیں ۔(سیر اعلام ۱۷/۳۵)

شیوخ کی کثرت اور مسلسل رحلت کالازمی نتیجہ ہے کہ آپؒ کی روایات بھی بیشمار ہوں، چنانچہ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: **وما بلغنا ان احدا من هذه الامة سمع ماسمع ولا جمع ماجمع و كان ختام الرحالين و فرد المكثرين مع الحفظ والمعرفة والصدق و كثرة التصانيف** ۔ہمیں نہیں معلوم کہ اس امت میں کسی نے اتنی حدیثیں سنی اور جمع کی ہوں جتنی ابوعبداللہ نے سنی اور جمع کی ہیں، آپؒ خاتم الرحّالین (علم حدیث کے لئے دنیا بھر کا سفر کرنے والوں میں سب سے ممتاز) اور کثرت سے احادیث جمع کرنے والوں میں یکتا تھے، اس کے ساتھ ہی آپؒ کو احادیث کے حفظ، معرفت، صدق اور کثرتِ تصانیف میں بھی بڑا رتبہ حاصل ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۲۵۴) ایک جگہ فرماتے ہیں: لم اعلم احداً كان أوسع رحلةً منه ولا اكثر حديثا منه مع الحفظ والثقة ۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی نے طلبِ حدیث کے لئے آپؒ سے زیادہ اسفار کئے ہوں اور حفظ وثقاہت کے ساتھ کسی نے آپؒ سے زیادہ حدیثین سنی وجمع کی ہوں (سیر اعلام ۱۷/۳۰)

آپؒ نے اپنے ہاتھ سے بیشمار حدیثیں لکھیں، آپؒ کے احادیث لکھے ہوئے اوراق کا وزن چالیس اونٹوں کے وزن سے زیادہ تھا، انکے صاحبزادے عبیداللہ بیان کرتے ہیں کہ نیشاپور کے راستے میں بَرمجنّہ نامی جگہ پر ایک اونٹوں والے شیخ سے ہماری ملاقات ہوئی، اس نے بتایا کہ اس جگہ ایک قافلہ آ کر رکا تھا جس میں ایک شیخ یعنی تمہارے والد تھے جن کے پاس چالیس اونٹوں کے وزن کے برابر سامان بندھا ہوا تھا، ہم سمجھے کہ شاید یہ کپڑوں کے تاجر ہیں اور یہ سامان تجارت کے کپڑے ہیں، لیکن جب ہم نے ان شیخ سے معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ سامان وہ ہے جس کی طرف آج کل لوگوں کی رغبت بہت کم رہ گئی ہے یعنی یہ حضور ﷺ کی احادیث ہیں جو میں

نے دنیا بھر کے مختلف مشائخ حدیث سے لکھی ہیں (سیر اعلام ۱۷ / ۳۷) حافظ جعفر مستغفریؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے اپنے شیخ ابوعبداللہ بن مندہ سے پوچھا کہ آپ کی سماعت کردہ حدیثوں کی مقدار کتنی ہو چکی ہے؟ تو فرمایا: پانچ ہزار من (سیر اعلام ۱۷ / ۳۴) حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک من دس بڑے اجزاء یا مجلدات کے برابر ہوتا ہے (تذکرۃ الحفاظ ۳ / ۲۵۴)

محدثین کی نظر میں آپ کا بڑا رتبہ تھا، امام ابوبکر باطرقانی جب آپؒ کا نام لیتے تو فرماتے: **محمد بن اسحاق بن یحیی بن مندة امام الأئمة فی الحدیث لقاه الله رضوانه واسکنه جنانه** ۔ابوعبداللہ بن مندہؒ حدیث میں اماموں کے امام ہیں، اللہ انھیں اپنی رضا نصیب فرمائے اور اپنی جنتوں کا مکین بنائے ۔(تاریخ دمشق ۵۲ / ۳۰) حافظ ابوعلی اصفہانیؒ فرماتے ہیں: **ابوعبدالله من بیت الحدیث والحفظ واحسن الثناء علی سلفه وعلیه رحمهم الله** ۔ابوعبداللہؒ حدیث اور حفظ حدیث کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، آپؒ اور آپؒ کے آباء واجداد بڑے اچھے لوگ تھے، اللہ ان سب پر رحم فرمائے ۔(تاریخ دمشق ۵۲ / ۳۰) حافظ ابونعیم اصفہانیؒ فرماتے ہیں: **کان جبلاً من الجبال** ۔علمِ حدیث کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھے ۔(تاریخ دمشق ۵۲ / ۳۰) ایک جگہ فرماتے ہیں: **حافظ من اولاد المحدثین** ۔محدثین کی اولاد میں ہیں اور خود بھی بڑے حافظ حدیث ہیں (تاریخ اصبہان ۲ / ۳۰۷) امام حافظ سعد بن علی الزنجانیؒ فرماتے ہیں: **و اما ابن مندة فأکثرهم روایةً مع المعرفة التامة ۔أی عن الدارقطنی والحاکم و عبدالغنی المقدسی** ۔احادیث کی معرفتِ تامہ کے ساتھ کثرتِ روایت میں ابوعبداللہ بن مندہؒ؛ امام دارقطنی، حاکم، اور عبدالغنی مقدسی سے بھی فائق ہیں (تاریخ دمشق ۵۲ / ۳۰) امام ابواسحاق بن حمزہ فرماتے ہیں: **ما رأیت مثل ابی عبدالله بن مندة** ۔میں نے ابوعبداللہ بن مندہؒ کی نظیر نہیں دیکھی (سیر اعلام ۱۷ / ۳۴) احمد بن جعفر الحافظ فرماتے ہیں: **کتبت عن أزید من الف شیخ فما فیهم أحفظ من ابن مندة** ۔میں نے ایک ہزار سے زیادہ مشائخ حدیث سے احادیث لکھی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ابوعبداللہ بن مندہؒ سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا۔(سیر اعلام ۱۷ / ۳۴) حافظ جعفر مستغفریؒ فرماتے

ہیں: **ما رأیت احداً أحفظ من ابی عبدالله بن مندة** ۔میں نے ابوعبداللہ بن مندہؒ سے بڑا حافظ حدیث نہیں دیکھا۔(سیراعلام ۱۷/ ۳۴)شیخ ہرات حافظ ابواسماعیل انصاریؒ فرماتے ہیں: **ابوعبدالله بن مندة سیداهل زمانه** ۔ابوعبداللہ بن مندہؒ اپنے زمانے میں اہلِ علم کے سردار تھے۔(سیراعلام ۱۷/) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: **کان من أئمة هذاالشان وثقاتهم** ۔بڑی شان والے ثقات ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ (لسان المیزان ۶/ ۵۵۵)

ابوجعفر ہمزانی ؛ روضۂ رسول ﷺ کے ایک خادم کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ظہر کے وقت سفید کپڑوں میں ملبوس ایک شیخ ہاتھ میں قلم، دوات اور کاغذ لئے ہوئے حرم رسول ﷺ میں تشریف لائے، جب یہ شیخ روضۂ رسول ﷺ کے پاس پہنچے تو روضۂ اطہر کی دیوارشق ہوگئی اور یہ شیخ اس کے اندر داخل ہوگئے،ان کے اندر داخل ہوتے ہی دیوارٹھیک ہوگئی،تھوڑی دیر کے بعد پھر دیوارشق ہوئی اور شیخ اس سے باہر نکل آئے، جب یہ جانے لگے تو میں نے ان کا دامن پکڑ لیا اور خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ شیخ نے فرمایا: میں ابوعبداللہ بن مندہ ہوں، حضور ﷺ کی ایک حدیث کے سلسلے میں مجھے اشکال پیش آیا تھا اس لئے میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس اشکال کا جواب معلوم کرلیا ہے۔(سیراعلام النبلاء ۱۷/ ۳۷)

آپؒ کا امتیازی وصف مسلکِ اہل السنہ والجماعۃ کے تئیں انتہائی حساسیت اور بدعت و اہلِ بدعت کے تئیں انتہائی شدت ہے،

چنانچہ فرماتے ہیں: کہ میں نے مشرق ومغرب کا دو بار چکر لگایا ہے اور ہزاروں مشائخ سے حدیثیں لکھی ہیں لیکن" لم أتقرب الی کل مذبذبٍ ولم أسمع من المبتدعین حدیثاً واحداً" کبھی کسی مشکوک آدمی کے قریب نہیں پھٹکا اور کسی بدعتی سے کبھی ایک بھی حدیث نہیں سنی۔(ذیل طبقات الحنابلہ ۳/ ۳۰۰)

مشاھیر اساتذہ

گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ آپؒ کے اساتذہ ومشائخ کی تعداد ہزاروں میں ہے،اور مشرق ومغرب کے

تقریباً تمام شہروں، علاقوں میں جا کر آپؒ نے تقریباً دنیا بھر کے سبھی مشائخ سے احادیث کی سماعت کی ہے، ہزاروں اجلۂ محدثین اور ائمۂ وقت کے سامنے آپؒ کو زانوئے تلمذتہہ کرنے کا موقع ملا ہے، جن میں؛

عبدالرحمان بن یحیی بن مندہ، امام حسن بن منصور الحمصی، امام ہیثم بن کلیب، حافظ ابوالعباس بن الاصم، امام ابواحمد العسال، حافظ ابوعلی النیشاپوری، حافظ ابن حبان، ابواسحاق بن حمزہ اور امام طبرانی جیسے جبالِ علم اور ائمۂ وقت شامل ہیں، ان کے علاوہ امام عبدالرحمان بن ابی حاتم، ابوالعباس بن عقدہ، اور فضل بن الحصیب جیسے مسانید عصر سے بھی آپؒ کو روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے۔

آپؒ کے صاجزادے عبدالرحمان کہتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے چار اساتذہ سے چار ہزار اجزاء (چھوٹی جلدیں) احادیث لکھیں، مکہ مکرمہ میں ابن الاعرابیؒ سے ایک ہزار، اطرابلس میں خیثمہؒ سے ایک ہزار، نیشاپور میں ابوالعباس اصمؒ سے ایک ہزار اور بخاریٰ میں ہیثم بن کلیبؒ سے ایک ہزار اجزاء لکھے۔ (تاریخ اسلام للذھبیؒ ۸/۷۵۷)

مشاھیر تلامذہ

اساتذہ وشیوخ کی طرح آپؒ کے تلامذہ بھی دنیا کے چپے چپے پر موجود تھے، جن میں حافظ ابوالشیخ، امام ابوبکر بن المقری، امام حاکم، حمزہ بن یوسف السہمی، حافظ ابونعیم اصبہانی جیسے مشاھیر واکابر محدثین شامل ہیں۔

تصانیف

آپؒ کثیر التصانیف بزرگ ہیں، حدیث، رجال، عقائد وکلام اور تاریخ وغیرہ متعدد علوم وفنون میں آپ کی درجنوں ضخیم ومقبول کتب موجود ہیں، اکثر کتابیں طبع نہ ہونے کی وجہ سے مفقود ہو چکی ہیں؛ جبکہ متعدد کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر اہلِ علم کی آنکھیں ٹھنڈی کر رہی ہیں۔ چند مشہور کتب یہ ہیں۔ (۱) کتاب الایمان (۲) معرفۃ الصحابہ (۳) فتح الباب فی الکنیٰ والالقاب (۴) مسند ابراہیم بن ادہم (۵) أسامی مشائخ الامام البخاری (۶) کتاب التوحید

(۷) کتاب الصفات (۸) الرد علی الجہمیہ (۹) تاریخ ابن مندہ (۱۰) کتاب الکنیٰ ۔

شادی واولاد

آپؒ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سفر میں گذارا، علمی انہماک اور مسلسل اسفار کے سبب شادی کی جانب توجہ نہیں کی، پھر جب سفر کا سلسلہ ختم ہوا تو اسی سال کی عمر میں شادی کی، اللہ کی شان دیکھئے کہ اس عمر میں بھی اللہ رب العزت نے اولاد سے نواز دیا، چار صاحبزادے ہوئے ۔عبدالرحمان، عبیداللہ، عبدالرحیم، عبدالوہاب (تاریخ اسلام للذھبی ۸ / ۷۵۷)۔ان چار صاحبزادوں میں تین محدث بنے، عبدالرحمان اور عبدالوہاب تو اپنے والد کے قد کے محدث ہوئے، آگے تفصیل کے ساتھ صاحبزادگان کا تذکرہ بھی آئے گا ان شاء اللہ

وفات

۳۹۵ھ میں ذوالقعدہ کی آخری تاریخ کو شبِ جمعہ میں بعمر ۸۴ / سال آپؒ کی وفات ہوئی ، امام باطرقانیؒ فرماتے ہیں کہ جس رات آپؒ کا انتقال ہوا میں بھی ایک جماعت کے ساتھ آپؒ کے پاس بیٹھا تھا، کچھ لوگوں نے آپؒ کو کلمہ کی تلقین کی تو آپؒ نے تلقین سے منع کر دیا اور فرمایا: کیا مجھے بھی آخری وقت کلمہ پڑھنے کے لئے تلقین کی ضرورت ہے؟ یعنی اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ بحمداللہ میں بغیر تلقین کے ہی کلمہ پڑھ رہا ہوں ۔(تاریخ اسلام ۸ / ۷۵۷) **فرحمہ اللّٰہ تعالی رحمةً واسعةً**

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے آخر تک یزید کو ناحق سمجھا

ابوالضحیٰ دیوبندی حنفی

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے پہلے دن سے ہی یزید کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کا اعلان فرمایا تو منجملہ دیگر حضرات کے حضرت امام رضی اللہ عنہ نے بھی کھل کر مخالفت کی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عراق کے گورنر زیاد بن ابی سفیان کو مدینہ بھیجا تا کہ وہ حضرت امام حسینؓ وغیرہ حضرات سے یزید کے حق میں بیعت لے سکے، لیکن اس کی ہزار کوششوں کے بعد بھی حضرت آپ رضی اللہ عنہ بیعت کے لیے تیار نہیں ہوئے اور زیاد کو مدینہ منورہ سے ناکام لوٹنا پڑا۔

اس کے کچھ دنوں بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن الحکم کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ حضرت امامؓ کو یزید کی بیعت کے لیے تیار کرے لیکن مروان کی کوششیں بھی ناکام رہیں اور امام حسینؓ بیعت کے لیے تیار نہ ہوئے۔ تیسری بار اسی مقصد کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ بذات خود خود شام سے چل کر مدینہ منورہ تشریف لائے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر امام حسینؓ مکہ مکرمہ کی طرف نکل گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے پیچھے مکہ مکرمہ گئے اور بہر حال ملاقات ہوگئی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے براہ راست بات کر کے آپؓ کو یزید کی بیعت کے تیار کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ حاصل نہیں ہوا اور حضرت امامؓ اپنے فیصلے پر اٹل رہے، بالآخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر شام چلے گئے اور پھر وفات تک آپ نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ سنہ ۶۰ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور یزید نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، سب سے پہلے یزید نے جو کام کیا وہ یہی تھا کہ حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کے پاس قاصد بھیجا اور ہر حال میں حضرت امامؓ سے بیعت لینے کا حکم دیا، ولید نے آپؓ کو بلا کر یزید کا پیغام سنایا اور بیعت کے لیے اصرار کیا لیکن آپؓ چھپ کر رات کے وقت مکہ مکرمہ نکل گئے اور ولید بن عتبہ بیعت لینے میں ناکام رہا، اور اسی جرم کی پاداش میں یزید نے ولید بن عتبہ کو مدینہ منورہ

کی گورنری سے معزول کرکے عمرو بن سعید کو اس کی جگہ مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا، عمرو بن سعید نے گورنر بنتے ہی لوگوں کے سامنے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ ایک لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرے گا اور اِن بیعت نہ کرنے والے حضرات (حضرت حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) کو گرفتار کرکے زبردستی یزید کی بیعت لے گا اور اگر انھوں نے بیعت سے انکار کیا تو قتل کردے گا۔ لیکن چونکہ زمانۂ حج قریب تھا اس لیے وہ اپنے اس ارادے پر فوراً عمل درآمد نہ کرسکا۔

اُدھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کی خبر ملی کہ آج نہیں تو کل بہر حال مکہ مکرمہ میں بھی ہماری دھر پکڑ شروع ہوگی اور ہمیں یزید کی بیعت کے لیے مجبور کیا جائے گا اس لیے اب خاموش بیٹھے رہنا مناسب نہیں، بہتر ہوگا کہ یزید کے خلاف خروج کیا جائے اور چونکہ اہل عراق کے خطوط مسلسل آپ کو موصول ہو رہے تھے جن میں یزید کی مخالفت اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کے عزائم کا اظہار تھا اس لیے آپ نے عراق کا قصد فرمایا تاکہ اہل عراق کو ساتھ لیکر بزورطاقت یزید کو ہٹانے کی کوشش کی جائے۔

اگرچہ اہل عراق پر اس درجہ اعتماد کرنے میں آپ سے چوک ہوئی اور دیگر صحابہ نے اس بابت آپ کو متنبہ بھی کیا لیکن آپ کا اجتہاد یہ تھا کہ اہل عراق مخلص ہیں اور ان کے تعاون سے یزید کو روکا جاسکتا ہے۔ اس لیے آپ عراق تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں جا کر جب آپ نے صورتحال مختلف دیکھی (کہ اہل عراق ابن زیاد کی سختیوں سے سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں اور مقابلے کی پوزیشن میں نہیں ہیں) تو آپ سمجھ گئے کہ اب بزورطاقت یزید کو ہٹانا ممکن نہیں ہے، اور جیسا بھی ہو بہر حال اب خلیفہ یزید ہی رہے گا؛ اس لیے اب آپ نے اپنا ارادہ تبدیل فرمایا اور براہ راست یزید سے ملاقات کے لیے شام کا قصد فرمایا۔

یزید کے پاس تشریف لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کی حکومت میں کچھ اصلاحات کی کوشش کی جائے اور اس سلسلے کی کچھ شرطیں یزید کے سامنے پیش کی جائیں، اگر وہ اُن شرائط کو تسلیم کرلے تو اس کے ہاتھ بیعت کرلی جائے، ممکن ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ خلافت میں شراکت اور نیک لوگوں کو شوریٰ میں شامل کرنے کی شرطیں یزید

کے سامنے پیش کرتے، اور ظاہر ہے کہ ان شرائط کو مان لینے کے بعد اس کی طاقت کمزور پڑ جاتی اور اُس سے وہ مظالم صادر نہ ہوتے جو بعد میں ہوئے۔ اسی قصد کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ شام کی جانب چل پڑے لیکن عبید اللہ بن زیاد وغیرہ نے آپ کا راستہ روک لیا اور آپ کو یزید کی نیابت کے طور پر اپنے ہاتھ پر بیعت کے لیے راضی کرنا چاہا لیکن آپ اس بات پر راضی نہ ہوئے کیونکہ آپ مطلقاً بیعت کے لیے راضی نہیں تھے بلکہ کچھ شرائط کے ساتھ بیعت کرنا چاہتے تھے اور ان شرائط کو تسلیم کرنے کا اختیار صرف یزید کے پاس تھا، اس لیے آپ نیچے کے لوگوں سے بات کرنا بے سود سمجھتے تھے۔

اس موقع پر براہ راست یزید سے بات کرنے کا یہ مطلب لینا کہ آپ یزید کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے؛ جہالت وسفاہت کے سوا کچھ نہیں ہے، اگر آپ یزید کو برحق سمجھتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ہی تسلیم کر لیتے، سات سال مسلسل یزید کی بیعت سے بچنے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کیوں پریشان پھرتے، آخر یزید کا وہ کونسا کمال تھا جو گذشتہ سات سالوں سے تو آپ کے علم میں نہیں تھا اور اب اچانک ظاہر ہو گیا، ظاہر ہے کہ جس طرح آپ کل یزید کو ناحق سمجھتے تھے اسی طرح آج بھی ناحق سمجھتے تھے، بس فرق اتنا تھا کہ کل تک آپ اس کے خلاف خروج کو مفید اور ضروری سمجھتے تھے اور آج مضر ونقصان دہ، اس لیے اب آپ طوعاً و کرہاً کچھ اصلاحی شرائط کے ساتھ بیعت کی شرط پیش کر کے اس فتنے کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

اگر آپ یزید کو حق سمجھتے تھے اور مطلقاً بیعت کے لیے تیار تھے تو پھر یزید کے گورنر کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کونسا عقلی وشرعی عذر مانع تھا؟ آخر وہ بھی تو یزید ہی کی بیعت لینا چاہتا تھا اور دیگر بہت سے صحابہ وتابعین نے بھی تو یزید کے گورنروں کے ہاتھوں پر ہی یزید کی بیعت کی تھی۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نیچے کے لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کرنا آپ نے اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ العیاذ باللہ۔ کیا حسین رضی اللہ عنہ نے محض اپنی انا کے خاطر ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت سے انکار کیا؟ اور اتنی معمولی سی بات کے لیے اپنے پورے خاندان کو دشمنوں کے ہاتھوں تہہ تیغ کرا دیا؟ کیا یہ آپ کی ذات مقدسہ پر تکبر وانانیت کا الزام

نہیں؟ عجیب بات یہ ہے کہ آج کل کے نام نہاد محققین یزید کو بچانے کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عزت و ناموس کی قربانی دینا چاہتے ہیں، ان کے یہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس چاہے جتنی مجروح ہو جائے لیکن یزید پر حرف نہیں آنا چاہیے، یزید کو بچانے کے لیے یہ لوگ نواسہ رسول کو ہی مطعون کرنے پر اتر آئے۔ اگر حسین سے شرم نہیں آئی تو حسین کے نانا کا ہی لحاظ کر لیتے۔

خدا کی قسم ہزار یزید پیدا ہو جائیں ایک حسین بن علی کے جوتوں کے دھول کی برابری نہیں کر سکتے۔

(صفحہ ۴۳ کا بقیہ)

۔۔۔۔۔۔تیسری سند :

قال ابن عساکر :اخبرناه ابو الحسن علی بن مسلم، انا نصرو ابن فضیل، قالا انا ابن عوف، انا ابن منیر، انا ابن خریم، ناهشام، نا ابن ابی السائب۔ وهو عبدالعزیز بن الولید بن سلیمان۔ قال :وسمعت ابی فذکر ان عمر بن الخطاب ولی معاویة بن ابی سفیان، فقالوا :ولاه حدث السن، فقال :تلومونی؟ وانا سمعت رسول الله ﷺ یقول :اللهم اجعله هادیا مهدیا واهده واهدبه۔ (ابن عساکر ۵۹/۸۲)

ان مذکورہ اسناد میں اگرچہ کچھ سقم ہے لیکن مجموعی اعتبار سے ان کا درجہ حسن سے کم نہیں، اور یہ اسناد ہم نے صرف پہلی صحیح سند کی تائید میں پیش کی ہیں، اگر بالفرض مان لیا جائے کہ اس روایت کی کوئی بھی سند ضعف سے خالی نہیں تو بھی اصول حدیث کے مطابق تعدد طرق کی وجہ سے اس روایت کو درجہ حسن بلکہ صحیح تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ واللہ اعلم